بسم اللہ الرحمن الرحیم

کونوا مع الصادقین

القول المفتوح

بسلسلہ

سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع

کے جواب

"حضرت امام حسینؓ اور تیسری شرط کا جواب الجواب"

حکیم فیض عالم صدیقی

جمعیت شبان اہلحدیث منڈی بہاؤالدین (گجرات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کونوا مع الصادقین

القول المفتوح

بسلسلہ

سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع

کے جواب

حضرت امام حسینؓ اور تیسری شرط کا جواب الجواب

حکیم فیض عالم صدیقی

جمعیت شبان اہلحدیث منڈی بہاؤالدین
(گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کونوا مع الصادقین

القول المفتوح

بسلسلہ

سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع

کے جواب

"حضرت امام حسینؓ اور تیسری شرط"

کا جواب الجواب

حکیم فیض عالم صدیقی

نام کتاب ــــــــــ القولُ المفتوح

تالیف ــــــــــ حکیم فیض عالم صدیقی

طابع و ناشر ــــــــــ جمعیت شبان اہلحدیث منڈی بہاؤالدین

مطبع ــــــــــ

کاتب ــــــــــ شریف اختر پھالیہ

قیمت ــــــــــ ۱۰/ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ فیض القرآن

جامع مسجد اہلحدیث محلہ مستریاں۔ جہلم (پاکستان)

السید مختار احمد فاروقی۔ واڑہ عالم شاہ۔ گجرات

عبدالمجید پسرا ولد میاں محمد موسیٰ پسرا محلہ فیض آباد۔ منڈی بہاؤالدین

انتساب

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ !
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

اسے ایک شاعر کی تعلّی سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے مگر میرے ساتھ آئیے میں آپ کو اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایک ایسے ہی زندہ کردار سے ملاقات کرا دونگا۔

۸۰ء دسمبر کے ابتدائی دن تھے۔ میں رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے سرگودھا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اترا ع " جاؤں تو جاؤں کہاں " کی گونج ذہن میں سموئے سردی سے کپکپاتا مسافروں کی چیخم دھاڑ سے بے نیاز سٹیشن کے وسطی پل کی سیڑھیاں عبور کر رہا تھا کہ اچانک دو ہاتھوں نے جھپٹ کر اپنے گھیرے میں لے لیا۔ تصوّر کا سحر ٹوٹا اور نظر اٹھی تو میاں عبدالستار کو پایا...... بے اختیار زبان سے نکلا اس شدید سردی میں آپ؟ جواب ملا کل تمہارا خط ملا تھا کہ فلاں تاریخ فلاں گاڑی پر آ رہا ہوں۔ سوچا کہ سردی میں کہاں ٹھٹھرتے ہوئے مکان تلاش کرتے پھرو گے۔ تمہیں تمہیں لینے کے لئے خود ہی آ گیا مگر یہ کمبخت دو گھنٹے لیٹ نکلی۔ میں ابھی معذرت یا شکریے کے الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ فرمایا۔ " چلو۔ سخت سردی ہے گاڑی میں بیٹھو" ــــ اور پھر تمام موسم سرما اسی قسم کے ڈرامے دہرائے جاتے رہے۔ اسکے بعد ع

بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

کس کس بات کو دہراؤں۔ کہاں ایک تر دامن مگر تہی دست اور کہاں ایک کارخانہ دار مگر ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

جیل کے ایام ـــــ ضمانت کے لیئے بھاگ دوڑ ؏

شبِ آخر آمد وافسانہ در افسانہ مے خیزد

پھر کسی فرصت کے وقت پر اُٹھا رکھتا ہوں۔
البتہ یہ بتادوں کہ وُہ یہی کتابچہ تھا جو میرے جرم بے گناہی کا جرم بن گیا اور میاں صاحب
سے اسی کتابچہ کی وجہ سے یہ تعلق پیدا ہُوا ـــ اور ایسا پیدا ہُوا کہ موصوف نے
اس بے نوا کے لیئے جب تک ضمانت نہ ہوئی۔ دن رات ایک کر دیئے۔ اس کے بعد
آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

اس تالیف کا انتساب اسی محسن کے نام ؏
گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

فیض عالم

مقدّمۂ کتاب

از قلم: جناب السیّد مختار احمد فاروقی صاحب

مؤرّخ اسلام استاذی علّامہ حکیم فیض عالم صدیقی کی تالیف "سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع اور سیدنا ابنِ زبیر کا خروج" کی اشاعت پر بیک وقت یگانوں اور بیگانوں میں جو ردِّ عمل ہوا وہ ارباب علم وفضل کی "بارگاہوں" سے گزرتا ہُوا جس طرح عوام کے ہاں پہنچا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

اکثر مجالس میں اس تالیف کی تائید میں کئی لطائف سے گوش آشنا ہوئے مگر صاحب علم سنجیدہ طبقہ یہی کہتا ہُوا پایا گیا کہ حکیم صاحب نے جس طرح سیدنا حسینؓ کی طینت و پاکیزگی کا حق ادا کیا ہے یہ انہی کا کام ہے۔

ـــــــ مگر پاکستان میں بسنے والے ایک قلیل ترین گروہ کے ہاں ان کی خرد کی تنگ دامانی نے انہیں وُہ راستہ دکھایا کہ جو سراسر اُن کے لیئے اعترافِ شکست ہے۔ خیر یہ تو ہُوا جو کچھ ہوا۔ اسلام آباد سے

"حضرت امام حسین علیہ السّلام اور تیسری شرط"

نامی ایک کتابچہ طبع ہُوا۔ معلوم ہوا کہ یہ کتابچہ حکیم صاحب مدظلّہ کی تالیف "سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع" کے تعاقب میں لکھا گیا ہے اور لکھنے والے ہیں جناب حسین عارف نقوی ایم اے جناب حسین عارف صاحب ہر مقام پر اپنے نام کے ساتھ لفظ "سیّد" کا اضافہ ضرور کرتے ہیں مگر شاید انہیں معلوم نہیں کہ "سیّد" کوئی قوم یا ذات نہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں لفظ جناب بولا جاتا ہے اس طرح عرب ممالک میں اپنے سے بلند مقام رکھنے والے صحاب

کو مخاطب کرتے وقت "یا سیدی" وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ علویوں کو اکثر مقامات پر "شریف" ضرور کہتے سنا مگر یہ "سید" اور "شاہ" کے سابقے لاحقے خود ہی اپنے ناموں کے ساتھ ٹانکنے والوں سے کسی علمی فضیلت کا خیال محال و جنوں ہے۔ یہ تو بالکل وُہی کیفیت ہوئی جیسے کوئی "محمد علی" اپنے نام کو "جناب محمد علی بادشاہ صاحب" لکھے۔ وہی حال جناب حسین عارف صاحب کا ہے۔

اسلام سے قبل بھی عرب میں سرداران قبیلہ "شیخ" یا "سید" کہلاتے تھے۔ نجران کے عیسائیوں کے وفد کا سردار "الایہم" سید کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں عزیز مصر" کے لئے "سید" کا لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ بالاتفاق وہ فاطمی نہیں تھا اور لطف کی بات یہ کہ سیدنا علیؓ سے لے کر ان کے گیارھویں امام تک کسی کے نام کے ساتھ "سید" کا سابقہ چسپاں نہیں بلکہ آج تک کسی عرب ملک میں "سید" اور "شاہ" کے سابقے اور لاحقے کسی طالبی کے نام کے ساتھ نظر نہیں آئے۔ ہم نے تو مزعومہ ائمہ اثنا عشریہ کے نام بھی کہیں "سید امام حسین شاہ"۔ سید امام باقر شاہ" یا "سید امام جعفر صادق شاہ" وغیرہ لکھے نہیں دیکھے۔

جناب حسین عارف صاحب نے اپنے کتابچے میں بڑے دھڑلے سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ حکیم صاحب کی تالیفات کا صرف میں نے ہی تعاقب کیا ہے۔

جناب حسین عارف صاحب! اس قسم کی تعلّیوں پر ہی تو "شیعہ ازم" کا دار و مدار ہے آپ کیا اور آپ کے دوسرے لگے بندھے حواری کیا ــــــ حکیم صاحب مدظلہٗ نے جن حقائق کا انکشاف کرکے اُمت مسلمہ کو ضلالت و ذلالت کے گرداب سے نکالنے کی طرح ڈال کر ایک عالم کو صراطِ مستقیم دکھایا ہے وہ ایک انمٹ کارنامہ ہے۔ رہا ان کی تالیفات کا تعاقب! تو

ایں خیال است و محال است و جنوں

آخر آپ نے کن باتوں کا تعاقب کیا ہے اور کن باتوں کا تعاقب کریں گے۔ حکیم صاحب نے تو صرف آپ کی تالیفات کے آئینہ میں آپ کو آپ کا ہی چہرہ دکھایا ہے

اور الحمدللہ کہ اب حکیم صاحب کی روحانی ذرّیت یہ کام سنبھالنے کے اہل ہو چکی ہے۔ آپ اب اپنے ستر پہلو والے دین کی طرف ہی رجوع فرمائیں یا "جس نے دین کو پوشیدہ رکھا اس نے دین کی عزت کی" پر عمل کریں۔ یہ سب کچھ آپ کے بس کا روگ نہیں آپ کو رونا پیٹنا اور سینہ کوبی ہی زیب دیتے ہیں۔

موصوف نے "امام حسین علیہ السلام اور تیسری شرط" نامی کتابچہ لکھ کر بزعم خویش بڑا تیر مارا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سوچنے والوں کے سامنے بالواسطہ حق و صداقت کی ایک شاہراہ کھول دی ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ امیر یزیدؒ کے متعلق بعض کودن طبع لوگوں کے دلوں میں جو غلط فہمیاں سرسرا رہی تھیں وہ بفضلہ اس کتابچہ کی تالیف سے متعدد طرق سے دُور ہو گئی ہیں۔ اس کتابچہ کے مؤلف نے سیدنا حسینؓ کی پیش کردہ پہلی دو شرائط کو تسلیم کرکے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ آنجنابؓ نے اپنے خروج کے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا اور یہی بات حکیم صاحب مدظلہٗ کی تالیف کی رُوح ہے۔ رہا تیسری شرط کا معاملہ! تو حکیم صاحب مدظلہٗ اس تیسری شرط پر کھل کر بحث کر چکے ہیں۔ البتہ اب حسین عارف صاحب کے اس کتابچہ کی طباعت کے بعد "سیدنا حسینؓ کی اس تیسری شرط" یعنی اضع یدی فی ید یزید پر شیعہ مذہب کی امہات الکتب سے "القول المفتوح بسلسلہ سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع" کو حرف آخر بنا دیا ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ اس روایت کا راوی کون ہے، اس کا سلسلہ اسناد کیا ہے وغیرہ وغیرہ ــــــ تو جناب حسین عارف صاحب! اس طفلانہ قسم کے اعتراض سے آپ اپنی ذہنی آسودگی کا سامان تو بہم پہنچا سکتے ہیں یا اپنے حواریوں میں قد آور بننے کا شوق تو پورا کر سکتے ہیں مگر حقائق اپنے مقام پر اٹل ہیں۔ یہ سوال آپ ان سے کیجئے جنہوں نے اپنی کتب میں سیدنا حسینؓ کے یہ الفاظ بتکرار بیان کئے ہیں۔

یہ راقم آثم حکیم صاحب مدظلہٗ کے اس جواب الجواب شہکار عظیم کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے چند مزید امور پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

جناب حسین عارف صاحب حکیم صاحب مدظلہٗ سے بڑے معصومانہ انداز میں ان اصنع یدی فی ید یزید کے راوی پوچھتے ہیں مگر محترم حکیم صاحب مدظلہٗ سے راوی پوچھتے وقت آپ یہ حقیقت کیوں فراموش کر گئے کہ آپ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس گروہ کے ذاکرین اور واعظین عوام کالانعام کو رونے پیٹنے پر اُکسانے کے لئے جعلی روایات اور خود ساختہ جذباتی مکالمات گھڑنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے ایک انٹرنیشنل راوی "بسند معتبر" یا "مسٹر ہاتف غیبی صاحب" ہوتے ہیں۔ خدا جانے یہ ذات شریف کس سیّارے کی مخلوق ہیں جس سے شیخ عباس قمی اور عبد اللہ مامقانی جیسے ماہرِ فن بھی متعارف نہ کرا سکے۔ ایسے گروہ سے تعلق رکھنے کے باوجود آپ کس مُنہ سے شریف مرتضیٰ کی روایت پر جرح کر رہے ہیں کبھی آپ نے جرأت سے کام لے کر کسی امام باڑے میں مجلس پڑھتے ہوئے کسی ذاکر سے پوچھا ہے؟ کیوں جناب:

(i) آپ کا یہ بیان کردہ زینبؓ و حسینؓ کا مکالمہ کن کن ماخذات سے ہے۔

(ii) اس کے راوی کون کون سے ہیں اور وہ راوی کربلا کے کس کونے کھدرے میں ٹیپ ریکارڈ لیئے چھپے بیٹھے مکالمہ سُن رہے تھے۔

(iii) کیا وہ تمام راوی عادل ہیں یا ان پر جرح کی گئی ہے اور سیدنا حسینؓ کا وہ ہائے وائے کرنا کس کا چشم دید ہے۔

کیا آپ نے کبھی سیاہ رُو/سیاہ پوش، مجتہد العصر سے پُوچھا ہے کہ جناب! ہماری آجکل کی اذان عہد نبوی میں کس صحابی نے دی تھی۔ خلافت علیؓ میں کون مؤذنِ اسلام تھے اور کیا وہ یہی کلمے بطور اذان کے پیش کرتے تھے گیارہ اماموں میں سے کون کون سے امام یہ اذان دیا کرتے تھے۔

I۔ اس اذان کی روایت کون کون سے شیعی ماخذات سے ہے

II۔ اس کے راوی کون کون سے ہیں۔

III۔ کیا یہ راوی (اگر ہیں تو) عادل ہیں یا ان پر جرح کی گئی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ حسین عارف صاحب ان باتوں کا قیامت تک جواب نہیں دے سکیں گے۔ پھر حکیم صاحب سے سوالات پُوچھنے سے قبل اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر کیوں نہیں دیکھتے۔

جناب حسین عارف صاحب نے بخاری کی "حدیث مغفور" کے مفہوم سے فرار کیلیئے جو پوچ قسم کے دلائل فراہم کئے ہیں انہوں نے جناب کے علمی دیوالیہ پن کو طشت ازبام کر دیا ہے۔ موصوف نے دراصل قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند کے اُگلے ہُوئے نوالے ہی چبائے ہیں۔ بالکل وہی باتیں وہی دلائل جو قاری صاحب نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "شہید کربلا اور یزید" میں لکھے ہیں۔ نقل کر دیئے لیکن ہمیں یقین ہے کہ مولانا عامر عثمانی مرحوم نے قاری صاحب کو اس ضمن میں جو منہ توڑ اور دندان شکن جوابات ماہنامہ "تجلّی" دیو بند میں دیے تھے آپکی نظر سے نہیں گزرے ورنہ آپ "حدیث مغفور" کی ایسی تشریح کی جرأت نہ کرتے ہم آپ کے ذہن کا زنگ اتارنے کے لیئے مولانا عامر عثمانی کے مضمون یزیدؒ —— جسے خدا نے بخشا لیکن بندوں نے نہ بخشا ماہنامہ تجلّی" دیو بند جون ۱۹۶۰ء سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"قرآن وحدیث کی بشارتیں دو طرز کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اعمال وافعال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول خبر دیتے ہیں کہ جس نے فلاں عمل کیا وہ جنّت میں گیا۔ اور فلاں عمل کیا وہ جہنم میں گیا۔ قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بشارتیں کسی ایسے فعل وعمل کے لئے نہیں ہوتیں جو کسی خاص وقت اور زمانے میں محدود ہو بلکہ ان کی حیثیت دائمی ہوتی ہے اور حشر تک ان کا دائرہ وسیع ہے مثلاً اپنے مسلمان بھائی کو اچانک غیر متوقع مسرت پہنچانا یا ہمسائے کی مدد کرنا یا مقروض کی گردن چھڑانا وغیرہ۔ ایسے اعمال ہیں جن پر قرآن وحدیث میں جنّت کی بشارتیں دی گئی ہیں اور ظالم کا ساتھ دینا۔ یتیموں کا مال کھانا۔ ہمسائے کو ستانا وغیرہ ایسی حرکات

جن پر جہنم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ظاہر ہے یہ اعمال و حرکات کسی خاص زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہیں۔ ان سے متعلق بشارتوں اور وعیدوں میں کسی خاص فرد یا گروہ کا بھی ذکر نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان ہر زمانے میں ان کا مصداق و مورد ہے۔ ان کے بارے میں بے شک علمائے معتبر کا یہ اندازِ نظر ہے اور ہونا چاہیئے کہ ان کا منشاء صرف ترغیب و تنذیر ہے صرف نمایاں کرنا ہے کہ فلاں عمل لائقِ التزام ہے اور فلاں حرکت قابلِ اجتناب۔ ان کی مثال ان مفید و مضر جڑی بوٹیوں کی طرح ہے جن کے اثرات و خواص محققین نے قرابا دین میں لکھ دیئے ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں میں سے چند کا انتخاب کر کے حکیم مریض کے لئے نسخہ لکھتا ہے تو واقعتاً یہ تحقیق شدہ اثر کی حامل ہوتی ہے لیکن مریض کے نظام بدن میں کوئی ایسا فساد ہو جس سے یہ اثر کالعدم ہو جائے یا بعد میں ایسی مضر اشیاء استعمال کرے جو اس اثر کو ملیا میٹ کرنیوالی ہوں تو یقیناً وہ نسخے سے فیضیاب نہیں ہو سکے گا۔ اس طرح جن اعمال و افعال کے نتیجے میں جنت یا جہنم کی بشارت فرد یا گروہ کے تعین کے بغیر حشر تک کیلئے دے دی گئی ان کا نتیجہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی خود ہی اس کے نتیجہ کو مخالف اعمال سے برباد نہ کرے۔ ایک شخص ہمسائے کی مدد کرتا ہے تو یقیناً یہ فعل حسبِ بشارت جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہے لیکن یہی شخص سُود کھاتا ہے جُوا کھیلتا ہے تو یہ بشارت اُس کے کام نہ آئے گی۔ جس طرح بد پرہیزی کے سبب نسخے کا فائدہ نہ ہونا خود نسخے کی اثر انگیزی اور افادیت کا انکار نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کا جہنم رسید ہو جانا مذکورہ بشارت کی اثر انگیزی اور افادیت کو غلط قرار نہیں دے گا۔

لیکن قرآن و حدیث نے ایک اور انداز کی بشارتیں بھی دی ہیں جو بعض افراد یا گروہوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان کا پھیلاؤ تمام زمانوں پر نہیں بلکہ خاص زمانے پر ہے مثلاً ابُولہب کا نام لے کر جہنم کی خبر دی یا رسول اللہؐ نے متعین کر کے کسی شخص کو جہنمی کہا جیسے کہ ایک مجاہد کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہے۔

حالانکہ وہ نہایت پامردی کے ساتھ اہلِ کُفر سے لڑ رہا تھا لیکن اللہ نے رسول کو خبر دی تھی کہ یہ دین کی حمایت میں نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور خودکشی کر کے مرے گا ایسا ہی ہُوا۔ اس طرح کی بشارتوں اور وعیدوں کا وہ معاملہ نہیں جو پہلی طرز کی بشارتوں کا ہے۔ ان میں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے نہ استثناء کی۔ یزید کے بارے میں جس بشارت پر گفتگو ہے وہ دُوسری ہی قسم میں داخل ہے بقسطنطنیہ پر پہلا غزوہ ظاہر ہے ایک خاص وقت کا قصّہ ہے اور بشارت نے ان تمام افراد کو نامزد کر دیا ہے جو اس جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ اعلان کرے کہ فلاں میدان میں جو لوگ پہلی بار پہنچیں گے۔ انہیں دس دس ہزار اشرفیاں دی جائیں گی۔ کھلی بات ہے کہ جو گروہ پہلی بار اس میدان میں پہنچ گیا اس کا ہر ہر فرد انعام کا مستحق ہو گیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ نہیں اگر ایک قاتل۔ ڈاکو یا بدکردار باغی وہاں پہنچا ہے تو اسے انعام نہیں دیا جائے گا۔ ہم کہیں گے اوّل تو شاہی آہنی تقاضے کے تحت یہ بھی لازماً مستحق انعام ہو گا۔ دُوسرے یہ اتفاق ایک عام انسانی اعلان میں پیش آسکتا ہے لیکن کیا اُس بادشاہ کے اعلان میں بھی پیش آئے گا جسے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون کون شخص میدان میں پہنچے گا۔

ہمیں تو نظر آرہا ہے کہ تردید کے جوش میں آپ نے قصداً یا سہواً یہ باور کر لیا ہے کہ رسول اللہؐ کی پیشگوئیاں بھی عام انسانوں جیسی تھیں یا پھر نجومیوں کی سی اٹکل پچو (نعوذ باللہ) حالانکہ رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی اس پستی سے بلند تھی کہ آپ یُونہی بلا اشارۂ غیبی بشارتیں دیتے پھریں۔ اللہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قسطنطنیہ (مدینۂ قیصر) پر پہلا غزوہ کرنیوالے گروہ کی مغفرت کی جائے گی۔ جبھی آپ نے زبان سے خوشخبری نکالی۔ کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم نہ تھی جو آج آپ کو معلوم ہے کہ یزید بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائیگی اگر واقعی یزید اس بشارت سے مستثنیٰ ہو سکتا تو اللہ سے زیادہ کسے خبر ہو سکتی تھی

کہ جس گروہ کو زبانِ رسُول سے "مغفور" کہلا رہے ہیں ان میں یزید بھی مع اپنے ... "پلید" کے موجود ہوگا اور اُسے جنّت میں بھیجنا ہمارے لیئے ممکن نہ ہوگا۔ اس خیال سے ہوتے ہوئے لازماً وہ کوئی جملہ یا لفظ حرفِ بشارت کے ساتھ ساتھ ہی ایسا کہلوا دیتے کہ استثنٰے کی گنجائش نکل آتی۔ نہیں کہلوایا تو یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ استثنٰے کا یہ طبع زاد کارنامہ آپ یا ہم انجام دیں۔ ......

ہمارا دعوٰی ہے کہ پہلے غزوۂ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مُرتد نہیں ہُوا۔ ہوتا کیسے؟ جن کے لیئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کر دی ہو وہ کیونکر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جا سکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسُول کی زبانی دی ہوئی بشارتِ صریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثنٰے کی گنجائش دیتا۔"

حسین عارف صاحب نے "حدیثِ مغفور" کا مفہوم بگاڑنے میں کمال عیاری سے کام لیتے ہوئے صفحہ ۲۴ پہ لکھا ہے:

"مغفورٌ لہم" کا مطلب ہے ان کے سابقہ گناہ نہ کہ آئندہ۔ صرف "مغفور" کا لفظ آجانے سے مستقبل کے گناہ تو معاف نہیں ہو سکتے"۔

یہ کسی "بسندِ معتبر" راوی کی روایت ہے یا آپ کی اپنی منطق اور نکتہ آفرینی ہے آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ مغفرت فوری انعام نہیں بلکہ مرنے کے بعد والا صلہ ہے۔ آخر حدیثِ رسُول کی رُو سے قسطنطنیہ پر پہلا غزوہ کرنے والا یزید جب انعام کا مستحق ہو جاتا ہے تو اس کے لیئے یہ انعام فی الحال ایک وعدے کی صُورت میں ہے۔ انعام تو مرنے کے بعد ملے گا لیکن خدا اُسے مرنے کے بعد کہہ دے کہ تمہارا انعام ہم نے منسوخ کر دیا کیا اللہ میاں نے نعوذ باللہ انعام کا وعدہ کر کے مذاق کیا تھا۔ اس عارضی وعدۂ مغفرت کی بھی کوئی قیمت رہ جاتی ہے اگر بعد میں حدیثِ مغفور کا مصداق وہی شخص جہنّم رسید کر دیا جائے۔ کم از کم حاکمِ ارض و سما۔ مالکِ کون و مکاں خصوصاً عالم الغیب والشہادہ سے

ہم ایسی توقع نہیں کر سکتے۔

جناب حسین عارف صاحب نے "حدیثِ مغفور" کے سلسلہ میں ایک اور مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:-

"حدیث میں مدینۂ قیصر کے الفاظ ہیں قسطنطنیہ کے نہیں حضورؐ نے مدینہ قیصر یعنی قیصر کے دارالحکومت سے مراد وہی شہر لیا ہوگا جو حضورؐ کے زمانے میں دارالحکومت ہوگا"۔

پھر فتح الباری کے حوالے سے لکھا ہے:-

"حضورؐ نے جس زمانے میں یہ الفاظ فرمائے اس وقت قیصر کا دارالحکومت حمص تھا"

ایسے غلط استدلال کے لیئے ہم خدا کے حضور صرف یہی دُعا کر سکتے ہیں کہ بارالہا۔ آلِ سبا کو کم از کم نبوت کی حقیقت اور پیشگوئی کی اصلیت سے بہرہ ور فرما۔

جو نبی صلح حدیبیہ کے موقع پر سیّدنا علیؓ سمیت سینکڑوں صحابۂ کرام سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کا اس وجہ سے وعدہ لے لیتا ہے کہ اس نبی کو علم ہے ایک دن عثمانؓ مظلوم شہید ہوں گے اور ان کے خون کا بدلہ لینے کا مسئلہ اُٹھے گا وہ نبی یہ بھی جانتا تھا کہ جب مدینۂ قیصر پر مسلمان یزید کی قیادت میں جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر حملہ آور ہونگے تو اس وقت قیصر کا دارالحکومت کون سا ہوگا۔ آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ تو نبی کیلئے "عالم ماکان وما یکون" کا عقیدہ رکھتے تھے۔ پھر ابن حجر عسقلانی ہو یا بدرالدین عینی۔ شاہ ولی اللہ ہوں یا غلام احمد پرویز سب نے مدینۂ قیصر کا ترجمہ قسطنطنیہ ہی کیا ہے کسی کو آپ جیسی ہیرا پھیری نہیں سوجھی۔

"فتح الباری" کے قول کی ابتدا میں ابن حجر عسقلانی نے "جوز بعضہم" لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ یہ بعض کا قول ہے یعنی شاید "یہ بعض لوگ" ابن حجر کے دور کے سبائی ذاکرین ہی ہوں جو مغفرت یزید پر تلملا اُٹھے ہوں ورنہ ابن حجر خود نہ صرف "مدینۂ قیصر" سے مراد قسطنطنیہ لیتے ہیں بلکہ اس لشکر کے سپہ سالار بھی امیر یزید کو ہی مانتے ہیں۔ "فتح الباری" اٹھا کر دیکھ لیجئے کیا وہاں "یغزون مدینۂ قیصر" کے تحت ابن حجر نے

"ابن التین" کی تردید کرکے یہ نہیں لکھا۔

فَاِنَّہٗ کَانَ امیر ذٰلک الجیش بالاتفاق۔

پس وہ (یزید) اس لشکر کا سپہ سالار تھا بالاتفاق۔

اگر مدینۂ قیصر سے مُراد حمص ہوتا تو اس حدیث کی شرح میں یزید کے ذکر کی ضرورت ہی کیا تھی یزید نے تو کبھی حمص پر حملہ نہیں کیا۔

بالغرض آپ یزید دشمنی میں اتنے اندھے ہو رہے ہیں کہ قولِ رسُول کا مفہوم تبدیل کرنے پر ہی اُدھار کھائے بیٹھے ہیں تو ان صحابۂ کرام اور اس خلیفۂ وقت کو ہی "مغفور لہم" کہہ دیجئے جنھوں نے حمص فتح کیا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کڑوی گولی بھی آپ کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گی کیونکہ حمص کی فتح کا سہرا سیّدنا خالد بن ولید سیف اللہ کے سر ہے اور یہ فتح شاہکارِ رسالت سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ مقدّس میں ہُوئی۔

حسین عارف صاحب نے اپنے کتابچہ کے صـــ۲۲ پر ایک بے پَر کی اڑائی ہے لکھتے ہیں۔ "جب کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو انہوں نے اس کو سزا کے طور پر بیس کوڑے لگوائے"۔

اگر امیر یزید کو "امیر المؤمنین" کہنا شرعی جُرم ہے اور اس کی سزا کوڑے ہیں تو کیا خیال ہے۔ سیّدنا حسینؓ کے بارے میں جنھوں نے یزید کو "امیر المؤمنین" کہا (اعلام الورٰی) شیفتہ صاحب کو ایک بار پھر متوجّہ کریں۔ نیز کیا خیال ہے سیّدنا زین العابدینؓ کے بارے میں جنھوں نے یزید کیلئے لفظ "امیر المؤمنین" استعمال کیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ / طبقات ابن سعد)

اگر آپ کو "کوڑوں کی سزا" کی حقیقت اور شرعی حدود کا تفصیلی علم ہوتا تو شاید ایسی روایت لکھتے ہوئے شرم محسوس کرتے۔ ابن حجر عسقلانی نے اچھا کیا کہ یہ روایت لکھکر راویوں کے نام بھی لکھ دیئے تاکہ اس وضعی روایت کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اس روائت کے راوی یحییٰ بن عبدالمالک اور نوفل بن ابی عقرب مجہول الحال ہیں۔ ایسی

روائتوں کی قیمت تو رائی کے ایک دانے کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس وضعی روائت کے مقابلے میں ابن حجر عسقلانی کی ہی ایک معتبر روائت "لسان المیزان" ج ۶ صـــ۲۹۴ سے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کی آنکھوں سے تعصّب کی پٹی اُتر جائے۔

وَقال ابن شوذب سمعت ابراھیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علیٰ یزید بن معاویہؓ

"ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہؓ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سُنا ہے"۔

ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عقیدہ ٹھوس روایت سے ثابت کیا ہے کیونکہ ابُو عبدالرحمٰن بن عبداللہ شوذب خراسانی ثقہ راوی ہیں۔ ابن حبان۔ ابن معین اور نسائی سب کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہیں۔ اگر ایسی کوئی روایت ہے تو پیش کیجئے۔

حسین عارف صاحب صـــ۲۰ پر رقمطراز ہیں:

"حکیم صاحب غالباً یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت امام پاک علیہ السلام کو بلانے والے شیعہ تھے حالانکہ حکیم صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شیعوں کے نزدیک محض بیعت کر لینے سے کوئی خلیفۂ برحق نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کیلئے نص وارد نہ ہو"۔

ماشاءاللہ! کیا آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سیّدنا حسینؓ کو بلانیوالے شیعہ نہیں تھے؟ ہم کہتے ہیں صرف بلانے والے ہی شیعہ نہیں تھے بلکہ شہید کرنیوالے بھی شیعہ ہی تھے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو لاکھ کوشش کے باوجود جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر سیّدنا حسینؓ کو خط لکھ کر بلانیوالے خود اپنا شیعہ ہونا تسلیم کریں تو آپ کون ہوتے ہیں حکیم صاحب کی تردید کرنیوالے؟

صرف اپنی معتبر کتاب جلاء العیون مصنفہ مشہور رافضی مجتہد ملّا باقر مجلسی سے ہی ان خطوط کا متن پڑھ لیں جو کوفہ سے سیّدنا حسینؓ کی خدمتِ اقدس میں لکھے گئے ایک خط

ملاحظہ ہو:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ——— یہ نامہ سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب ابن مظاہر از جمیع شیعاں و مومنین و مسلمین اہلِ کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی ابن ابطالب ہے......

..... بہت جلد آپ اپنے دوستوں اور ہواخواہوں کے پاس تشریف لائیے۔

(جلاء العیون جلد دوم صـ۳۹)

آپ کے پاس فرار کی ایک ہی راہ ہے کہ فوراً کہہ دیجئے "جلاء العیون مناظرہ کی کتاب ہے"۔

مزید تسلی کے لئے ہفت روزہ "رضا کار" لاہور سید الشہداء نمبر یکم مئی ۱۹۶۵ء کا صـ۴۶-۴۷ دیکھیں۔ لکھا ہے:

"جب اہلِ کوفہ نے امام حسین کے انکار بیعت اور مکہ پہنچنے کے متعلق سُنا تو سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ جب تمام آگئے تو سلیمان بن صرد خزاعی نے ان کے درمیان اُٹھ کر ایک خطبہ دیا جس کے آخر میں کہا اے گروہِ شیعہ! تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ معاویہؓ وفات پا چکا ہے ....

...... اس کے بعد ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ ایک خط لے کر آیا اور یہ خط اہل کوفہ کی طرف سے امام حسین کے نام آخری خط تھا جس میں مرقوم تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط امیرالمومنین حسین بن علی علیہ السلام کے لئے اس کے اور ان کے والد بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام کے شیعوں کی طرف سے"

کیا اب بھی آپ یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کریں گے کہ کوفہ بلانے والے اور سیدنا حسینؓ کو شہید کرنے والے شیعہ نہیں تھے۔ جب خود بلانے والے پکار پکار کر اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کر رہے ہیں تو آپ کون ہوتے ہیں ان کی پردہ پوشی کرنے والے ؟

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا۔

ہم قاتلانِ حسینؓ کی پہچان کے لیئے ایک اہم حوالہ آپ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں تاکہ شہادتِ حسینؓ کی عینی شاہدہ سیدہ زینب بنتِ علیؓ کی زبان سے مجرمین کی نشان دہی ہو جائے۔ بازارِ کوفہ میں سیدہ زینب بنتِ علیؓ کا مشہور خطبہ اکثر شیعہ کتب میں (بقول شیعہ علماء) مرقوم ہے جس کا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"یَا اَهْلَ الْکُوْفَةِ یَا اَهْلَ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ اَتَبْکُوْنَ فَلَا رَقَأَتِ الدَّمْعَةُ وَلَا قَطَعَتِ الرَّنَّةُ وَلَا هَدَأَتِ الزَّفْرَةُ"

اے اہلِ کوفہ! اے غدّارو! اے مکّارو! ہم پر گریہ کر رہے ہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں اور تمہاری فریاد کبھی نہ ختم ہو"۔

۱۔ سیرۃ فاطمۃ الزہراؓ صـ۲۹۸ آغا سلطان مرزا (شیعہ)
تیسرا ایڈیشن حق برادرز لاہور

۲۔ ہفت روزہ "رضا کار" لاہور یکم مئی ۱۹۶۵ء صـ۸

اب ہم حسین عارف صاحب سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ زینب بنتِ علیؓ کی یہ بددعا بارگاہ ربِّ ذوالجلال والاکرام میں مقبول ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی اور یقیناً ہوئی ہے تو ذرا اپنے اردگرد کے ماحول کا خصوصاً محرم الحرام میں بغور جائزہ لے کر بتائیں کہ وہ کون سے مکّار اور غدّار پسماندگان اہل کوفہ ہیں جن کے آنسو آج تک خشک ہونے نہیں آ رہے اور جن کی فریاد سیدہ زینب کی بددعا کے نتیجے میں ختم نہیں ہو رہی۔

فافہم فتدبر۔ قتل حسینؓ ایسا ناقابلِ معافی جُرم ہے جس کی سزا قیامت تک کوفیوں کی نسلوں کو بھی ملتی رہے گی۔ انشاءاللہ۔

جناب حسین عارف صاحب نے بڑے فخریہ انداز میں اپنے کتابچے کے صـ۶ پر اپنی شیعہ برادری سے خطاب فرمایا ہے کہ:۔

"اگر حکیم صاحب کی کتب کے کسی نے جوابات دیئے ہیں تو وہ میں ہی ہوں"

تو سنئے حضرت! حکیم صاحب کی کتب کے جوابات آپ خاک دیں گے۔ آپ کی علمیت کا بھانڈا حکیم صاحب کے اس مختصر سے پمفلٹ "سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع" نے ہی پھوڑ دیا ہے۔

ایمان کی کہیئے! کیا آپ سے سیدنا حسینؓ کے رجوع کی تردید ہوئی؟ کسی سبائی میں جرأت نہیں کہ حکیم صاحب کے دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ کے آگے دم مار سکے۔ جس طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے کئی جوابات عالم رفض و بدعت کی طرف سے لکھے گئے لیکن ہر جواب دوسرے جواب کی تردید کرتا رہا اور "تحفہ" کا حقیقی جواب آج تک نہ بن سکا۔ اسی طرح حکیم صاحب کے اس مختصر سے پمفلٹ میں اٹھائے گئے سوالات آپ کا ناطقہ بند کئے رکھیں گے۔

ابھی تو حکیم صاحب کی کئی کتب "ملت تبرائیہ و امت ابن سبائیہ" کے سر پر قرض ہیں۔

واقعۂ کربلا پر کئی مصنفین نے قلم اٹھایا لیکن واقعہ کی ماہیت کی وضاحت اور غیر جانبدارانہ تحقیق میں اکثر کو ناکامی ہوئی۔ نئی نسل کربلا کے واقعات سننے کے بعد جب سوال کرتی ہے کہ سیدنا حسینؓ آخر کوفہ کیا لینے گئے؟ کیا وہاں اسلام خطرہ میں تھا؟ تو بڑے بڑے کف آلود مولانا ہکلانے لگتے ہیں۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر سیدنا حسینؓ عالم الغیب امام تھے تو صحیح حالات معلوم کرنے کے لیئے مسلم بن عقیل کو کوفہ کیوں بھیجا؟ کیا "عالم ماکان و مایکون" امام کو پتہ تھا کہ کربلا پہنچ کر مجھے کن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا؟ اگر وہ یزید کو تخت خلافت سے ہٹانا چاہتے تھے تو کس تخت پر بٹھانا کسے چاہتے تھے؟ یا خود تخت خلافت کے خواہشمند تھے؟ امیر یزیدؒ جب تخت خلافت پر متمکن ہو گئے۔ عوام کی اکثریت نے تجدید بیعت کر لی اور کاروبار سلطنت چلنا شروع ہو گئے تو امیر یزیدؒ کو کیا مجبوری تھی کہ سیدنا حسینؓ سے بیعت لیتے۔ کرسیٔ خلافت پر تو وہ پہلے ہی قابض تھے۔

لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اگر یہ سیاسی جنگ یا اقتدار کی جنگ نہیں تھی بلکہ اپنے

نانا کے دین کو بچانے کیلئے سیدنا حسینؓ پر یزیدؒ کے خلاف جہاد واجب ہو گیا تھا تو میدان کربلا میں پہنچ کر آپؓ نے واپسی کے ارادے کا اظہار کیوں فرمایا۔ واپس جانے کا کیا مطلب؟ کیا اس وقت جہاد ساقط ہو گیا تھا؟

باشعور لوگ یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ اگر عمر و سعد اور شمر ذی الجوشن اس قدر شقی القلب پتھر دل اور ظالم تھے کہ لاشوں پر گھوڑے دوڑانے، خیموں کو جلانے، عورتوں کی چادریں چھیننے اور بچوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے تو انہوں نے سیدنا زین العابدینؒ کو کیوں زندہ چھوڑ دیا؟ جنہوں نے بچوں، عورتوں حتیٰ کہ لاشوں پر بھی ترس نہ کھایا۔ انہیں ایک بیمار زین العابدینؒ پر کیسے ترس آ گیا۔

یہ سب ایسے سوالات ہیں جن کی واضح توجیہ اکثر مصنفین سے نہ ہو سکی۔ ہم بڑے فخر سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رئیس القلم مؤرخ اسلام جناب علامہ فیض عالم صدیقی مدظلہ، نے ان تمام ابہامات کو بڑے پیارے انداز میں سلجھایا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان کی یہ شاہکار تصنیف سبائیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ!

مختار احمد فاروقی
۶ رجون ۱۹۸۳ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

دُنیا بھر کی تمام تاریخوں کو کھنگال ڈالیے۔ سیرت اور سوانح کے ایک ایک صفحہ کی ایک ایک سطر دیکھ ڈالیے آپ کو اس قسم کا کوئی واقعہ نظر نہیں آئیگا کہ جس کا کوئی عینی شاہد اس کے متعلق زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالے مگر ایرے غیرے اس واقعہ کے من گھڑت حالات پر ہزاروں کے ہزار صفحات لکھتے چلے جائیں اور دن بدن ان پر زیادہ سے زیادہ لفاظی کے ذخائر بڑھاتے چلے جائیں اور اگر کوئی دردِ دل رکھنے والا دیدہ ور محقق خواہ ان کا اپنا ہی کیوں نہ ہو کچھ عقل کی بات کہہ اُٹھے تو کنکھلیاں کلکلا کر اُسے چیرنے پھاڑنے کے لئے دوڑ اُٹھیں۔

ہم سچے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ نواسۂ رسول، لختِ دل بنت رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غربت و مسافرت میں اپنی خواتین حرم۔ بیٹیوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے بہیمانہ اور سفاکانہ قتل ؏

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

کے مصداق تاریخ اسلام کا ایک نہایت المناک، دردناک۔ رقت انگیز اور افسوسناک باب ہے مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس المناک حادثہ سے بچ نکلنے والوں نے جن لوگوں کو اس واقعہ کا مرتکب قرار دیا —— ان کا یہاں دُور دُور تک کوئی ذکر نہیں اور جن لوگوں نے اس سانحہ کے پسماندگان کے سامنے آنکھیں بچھائیں ان کے قدموں میں مال و دولت کے ڈھیر لگا دیئے ان کی تالیفِ قلب کیلئے ہر طرح کے سامان بہم پہنچائے وہ ظالم بھی ہیں اور فاسق و فاجر بھی۔ کافر بھی ہیں اور دین اسلام کے باغی بھی۔ دنیا بھر کی لعنت کی کوئی گالی نہیں جو اُن کو نہ دی گئی ہو۔ اور جو لوگ اوّل سے آخر تک اس سانحہ کے بانی اور کرتا دھرتا تھے وہ سال بھر بعد چند روز

- اجتماعی شکل میں سیاہ کپڑے پہن کر

- خاص وضع اختیار کر کے ننگے پاؤں، ننگے سر، پریشان بال اور کبھی کبھی سر پر راکھ یا مٹی ڈال کر
- خاص راگ اور راگنیوں میں نوحے، دوہڑے نالہ و شیون کے ساتھ۔
- پوری ہم آہنگی سے خاص تال پر اور کبھی ڈھول کی چوب پر سینہ کوبی کرتے ہوئے
- گھوم کر جلوس کی شکل میں اور خوب تشہیر کے ساتھ
- ماتم کریں اور معروضہ قاتلوں پر لعنت بازی کریں تو سچے مومن اور محبان حسین رضی اللہ عنہ اور جو اس عبادت میں شامل نہ ہوں وُہ پکے کافر اور منافق قرار دیئے جائیں اور اگر کوئی ان کی اس عبادت میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ بھی کرے تو اس سے لڑ مرنے پر تیار ہو جائیں۔ ؏

اللہ اللہ کس قدر پاکیزہ اعمال کے حامل ہیں یہ لوگ

راقم الحروف نے سنہ ۱۹۸۰ء کے شروع میں ایک کتابچہ بنام "سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے موقف سے رجوع اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خروج" طبع کرایا۔ اس کتابچہ کے لکھنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے باوجود اپنے خروج کے موقف سے رجوع نہ فرمانے کی حالت میں مقتول ہوئے مگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جو عمر میں سیدنا ابن زبیر سے کم و بیش آٹھ سال چھوٹے تھے۔ انہوں نے اپنے خروج میں جب حالات کو اپنے موافق نہ پایا تو اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔ دینی نقطۂ نظر سے مؤخر الذکر کا مقام اوّل الذکر سے کہیں بلند ہے۔

اور مزید یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات کی زد میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس نہیں آتی جن کا مفہوم آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا کہ کسی حکومت قائمہ کے خلاف خروج کرنیوالا واجب القتل ہے۔ چونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا اسلیئے آپ کا مقتول ہونا ایک انتہائی دردناک، افسوسناک اور المناک سانحہ تھا۔

کتابچہ مذکور طبع ہونے کے چند ماہ بعد ۱۶۔ ایم پی او کے تحت راقم الحروف ۳۰/۸/۹

کو گرفتار ہو گیا اور ۸/۱۰ کو ضمانت پر رہا ہوا۔ چونکہ مقدمہ ابھی تک زیر سماعت ہے
اسلیئے اس کے مالہ و ما علیہ کے متعلق کچھ کہنا خلاف قانون ہے اور مزید کہ کتابچہ
مذکور حکومت پنجاب نے ضبط بھی کرلیا۔ ان حالات میں چاہیئے تو یہ تھا کہ جن افراد
کو اس کتابچہ کے موافقت سے اتفاق نہ تھا وہ کتابچہ کی ضبطی کے بعد خاموش رہتے مگر
جناب حسین عارف صاحب نقوی ایم۔اے اسلام آباد نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور
تیسری شرط" نامی کتابچہ پانچہزار کی تعداد میں طبع کرا کے ملک بھر میں پھیلا دیا۔ بزعم خویش
کتابچہ کے مؤلف نے بڑا کام کیا ہے مگر درمیان میں ایک پیچا پڑ گیا۔ یعنی کربلا کے مقام
پر سیدنا حسینؓ کی پیش کردہ صرف تیسری شرط ان اضع یدی فی ید یزید کی تردید
پر تو بہت زور مارا مگر پہلی دو شرطوں یعنی مجھے واپس جانے دو یا مجھے سرحدات کی
طرف نکل جانے دو تاکہ ترکوں سے جہاد کر دوں' کو گول کر گئے۔ کتابچہ کے مؤلف تحریری
داؤ پیچ اور خلط مبحث کے ماہر ہیں شاید انہیں معلوم ہوگا اگر پہلی دو شرطوں کو بھی زیر
بحث لایا گیا تو آنجنابؓ کا اپنے موقف سے رجوع ثابت ہو جائے گا اور یہی بات انہیں
پسند نہیں۔ اسلیئے سیدنا حسینؓ کی پیش کردہ شرائط میں سے صرف اضع یدی فی ید
یزید۔ کو معرض بحث بنایا۔ لطف تو تب تھا کہ پہلی دو شرطوں پر بھی بحث کی جاتی اور
میری تالیف کے باقی مندرجات پر بھی اظہار خیال فرمایا جاتا مگر ان مقامات پر یا تو
دستگیری کرنے والا کوئی عقبہ بن سمعان کسی کونے کھدرے سے نکال کر اس کی
انگلی پکڑنے کا سہارا حاصل نہ کر سکے اور یا بالفاظ دیگر انہیں ان سب مندرجات سے
اتفاق ہے .... اور یا وہ ان حقائق کو جھٹلانے کی اپنے اندر سکت ہی نہ پا سکے۔
مجھے یہاں ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے۔ دنیائے شیعیت کے ایک مشہور علامہ ایران سے
حیدر آباد دکن میں نازل ہوئے۔ ان کی عادت تھی کہ ہر مجلس میں جا پہنچتے اور ہر بات
میں ضرور حصہ لیتے۔ ان کے ایسے دخل در معقولات سے وہاں کی سنجیدہ۔ شگفتہ
اور وضعداری سے مزین مجالس میں اکثر ان کے سوقیانہ پن سے بے لطفی کی سی کیفیت
پیدا ہو جاتی۔ ایک دن موصوف نے فرمایا "میں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود تم لوگوں

سے زیادہ اہل زبان ہوں"۔ ایک سن رسیدہ بزرگ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے جیب
سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر اُن صاحب کی طرف بڑھایا اور کہا حضرت ذرا یہ شعر
تو پڑھ دیجئے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع تھا ؎

کھاؤں کدھر کی چوٹ۔ بچاؤں کدھر کی چوٹ

دکن میں چ کو مضموم پڑھتے ہیں اور علامہ صاحب ٹ کا صحیح تلفظ ادا کرنے پر قادر نہ
تھے۔ ٹ کو ت پڑھتے تھے۔ اب جو علامہ صاحب نے شعر دیکھا تو آنکھوں کے سامنے
آسمان گھومتا نظر آیا۔ اور پاؤں تلے سے زمین سرکتی نظر آئی۔ واقفان حال کا کہنا ہے
کہ علامہ صاحب نے دوسرے دن بستر باندھا اور لاہور تشریف لائے۔ علامہ صاحب
کو تو وہاں دستگیری کیلئے کوئی نہ ملا مگر جناب حسین عارف صاحب کو تیسری شرط
میں دستگیری کے لیئے عقبہ بن سمعان آنازل ہوا۔ اگر باقی شرائط کی تردید کیلئے
بھی کوئی عقبہ بن سمعان آپہنچتا تو شاید ان پر بھی خامہ فرسائی ہو جاتی مگر
افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔

لیجیئے پہلی دو شرائط تو بالواسطہ آپ نے تسلیم کرلیں۔ ان سے ہی سیدنا حسینؓ
کا اپنے مؤقف سے رجوع ثابت ہو گیا اور موقف سے رجوع بالواسطہ بیعت یزید
کا مصداق ہے۔ اگر یزید بقول سبائیت فاسق و فاجر تھا اور سیدنا حسینؓ نے
بقول سبائیت "اپنے نانا کا دین بچانے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیئے نعرہ جہاد
بلند کرکے یہ اقدام فرمایا تھا تو مسلم بن عقیلؒ کے قتل کی خبر سن کر اپنے مؤقف
سے رجوع کیوں فرمالیا تھا۔ اگر آپ نے واپس جانے کا ارادہ فرمایا تھا تو کیا واپسی
کا مقام اس فاسق و فاجر یزید کی سلطنت سے باہر تھا۔ اگر سرحدات پر جاکر جہاد
کرنے کی پیشکش کی تھی تو کیا وہ سرحدات یزید کی سلطنت سے باہر تھیں۔ اور
آپ کے پاس جہاد کے وسائل کیا تھے؟ امیر مملکت کی اجازت کے بغیر رعایا کے
کسی فرد نے اپنے طور پر کہیں جہاد کیا ہے؟ حقیقت میں یہ سب دل خوش کرنے کی
باتیں ہیں۔ میں نے "سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع" میں شیعہ کتب سے ان

تین شرائط کا ذکر صرف اس لیئے کیا تھا کہ آنجناب کا مؤقف سے رجوع ثابت کر کے آپ کی بے کسانہ شہادت کو ایک بلند ارفع اور اعلیٰ شہادت ثابت کر سکوں ورنہ ایک حکمران کے خلاف ایک یکہ و تنہا آدمی کا نعرۂ جہاد —— ایک صاحب ایمان انسان کے جسم میں اس بات کے تصور سے ہی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

ایک لطیفہ جناب حسین عارف صاحب کے ایک ہم مسلک ڈاکٹر مظہر حسین نے اپنی تالیف "انسانیت کی فریاد" میں جب لکھنؤ کے شیعہ مشہور اسلام دشمن تحریک جن سنگھ کے ساتھ گٹھ جوڑ میں مصروف تھے یہ لکھا کہ:

"امام حسین علیہ السلام کے بھارت کے مہاراجہ چندر گپت سے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ آپ کربلا سے بھارت آنا چاہتے تھے"۔

بات تو مظہر حسین صاحب نے بڑی پتے کی کی ہے۔ جب کسی ملک میں ایک مسلمان اسلامی اعمال پر عمل پیرا ہونے سے معذور ہو جائے تو وہاں سے بھاگ نکلے مگر ایک اسلامی مملکت کے مقابلہ میں ایک کافر حکومت میں پناہ لینا کچھ جچتی سی بات ہے۔ مظہر صاحب یوں تو بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں مگر یہ بھول گئے کہ شاید حسین عارف صاحب پوچھ بیٹھیں کہ تمہاری اس روایت کے راوی کون کون سے ہیں؟ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ مگر یہ بھی ذرا دور کی بات ہے اور اس حواس باختگی کا کیا علاج کہ چندر گپت ۳۳۰ء میں مرگیا تھا اور حسینؓ کی ولادت اس کے مرنے کے کوئی دوسو چھیانوے سال بعد یعنی ۶۲۶ء میں ہوئی تھی۔ شاید یہ بھی کوئی امامت کا راز ہو——؟

جناب عارف صاحب! اگر حقائق کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہو تو

دیکھنا۔ لینا۔ پکڑنا۔ دوڑنا۔ جانے نہ پائے

کی چیخ و پکار کی نسبت خاموشی ہی بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جناب حسین عارف صاحب نے یہ کتابچہ لکھنے کا محض تکلف کیا ہے۔ اب تو ان کے مرغانِ دست آموز ان کے آذوقہ کا بخوبی حق نمک ادا کر رہے ہیں ۱

۱: السیّد محمود احمد عباسی کی تالیف خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ کے پاکستان میں ضبط ہونے پر روزنامہ

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کو امیر یزیدؒ کے کردار کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی۔ ورنہ وہ یوں یکہ و تنہا کربلا کے میدان میں کوفیوں کی تیغ ستم کا نشانہ بنتے۔ دوسرے نہ سہی کم ازکم ان کے کنبے کے لوگ ہی ان کا ساتھ ضرور دیتے۔ آپ کے اس اقدام

الجمعیۃ دہلی نے ۱۳ اکتوبر ۵۹ء کے شمارہ میں ایک پرزور احتجاجی مضمون لکھا۔ جس پر "طوفان جدید ممبئی" نے ۲۵ اکتوبر ۵۹ء کے شمارہ میں لکھا کہ "خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ کی حمایت میں الجمعیۃ" نے یہ مضمون جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب کے ایما سے لکھا ہے اور اس اخبار کے ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگِ بارگاہِ چشت" کا لاحقہ ٹانکا۔ پھر اسی "طوفان" کی ایک اشاعت میں دارالعلوم دیوبند کو چندہ دینے والوں کے سامنے فریاد کی کہ تمہارے عطیات کا استعمال اسقدر دلآزار اور حقائق سے بعید منظر عام پر اسی لئے پیش کیا جارہا ہے۔ گویا اس "سگِ بارگاہِ چشت" نے دارالعلوم دیوبند کی دیگِ چندہ کو پوری طرح اپنے جبڑوں سے اُدھیڑنے کی کوشش کی تو قاری محمد طیب صاحب بلبلا اٹھے اور انہوں نے دین جائے یا رہے کو پس پشت ڈال کر فوراً یہ بیان ملک بھر کے اخبارات میں اشاعت کے لئے بھیج دیا کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ قاری صاحب اس پر صبر نہ کر سکے بلکہ ہائے حسینؓ! کی زبان میں "شہید کربلا اور یزید" نامی ایک رکوئے زمانہ تالیف طبع کرا کے چندہ دہندگان کے حضور میں پیش کی۔ کتاب کے باقی مواقف سے قطع نظر "حدیثِ مغفور" کی جس طرح آپ نے من مانی تشریح کی ہے اس نے صریحاً آپ کو "گستاخانِ رسول" کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور لطف یہ کہ اسی دیوبند کے کئی جید علمائے کرام نے قاری صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا جن میں سے مولانا عامر عثمانی مرحوم اور مولانا صہیب صاحب خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں سے حنفی مسلک کے اس عظیم دارالعلوم یعنی دیوبند سے منسلک اصحاب دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ میں وہ اصحاب تھے جنہوں نے حضور نبی اکرمؐ کے ارشاد "حدیث مغفور" کے خلاف کسی قسم کی بھی گفتگو کو حضور اکرمؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی سمجھا۔ اس کے علاوہ ان کے پیشِ نظر یہ حقائق بھی تھے کہ کم و بیش پچاس پچپن لاکھ مربع میل میں پھیلی ہوئی وسیع اسلامی سلطنت میں سینکڑوں صحابہ کرام اور لاکھوں تابعین نے یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں عشرۂ مبشرہ میں سے بھی دو صحابی شامل تھے۔ اصحاب بدر اور اصحاب شجرہ میں سے بھی موجود تھے۔ امہات المومنین میں سے بھی موجود تھیں تو یزید کو برا کہنا بالواسطہ ان سب عظیم المرتبت

کا پس منظر امیر یزیدؒ کے کسی غیر اسلامی فعل کا نتیجہ نہ تھا بلکہ آپ کو کوفیوں کے اُن خطوط نے آمادہ کیا جن کی تعداد بارہ ہزار تک بیان کی جاتی ہے اور جن میں لکھا

ہستیوں کی شان کے تنقیص ہے اور عظیم گستاخی ہے —— مگر دُوسرے گروہ کے پاس دنیائے سبائیت سے درآمد کردہ ہزاروں صفحات پر مشتمل لٹریچر تھا اور اس گروہ نے منظم طور پر ایک باقاعدگی سے سبائیت کی ترجمانی کو ایک فریضہ سمجھ کر اپنی تمام صلاحیتیں "اُس کارِ خیر" میں صرف کرنے کو ہی سعادت سمجھا۔ حالیہ سالوں میں اس گروہ کے کسی خورشید دارثی نے ایک فرضی ادارہ "اتحادِ امت کراچی" کی طرف سے ایک دو ورقہ شائع کیا جس میں شیعہ سنی اتحاد کی بانگی کا مصرع طرح اُٹھایا اور اس مصرع طرح پر دارالعلوم حامدیہ رضویہ کراچی کے کسی محمد رفیق حسن نے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مفتی ولی حسن اور رئیس مجلس دعوت تحقیق اسلامی کراچی کے مولوی عبدالرشید نعمانی نے دو غزلے اور سہ غزلے کہہ ڈالے اور تائید میں کسی علامہ ابن حسن نجفی کو پیش کرتے ہوئے اپنے موقف کو زیادہ سے زیادہ وزن دار بنانے کی کوشش کی مگر بعض طبائع اتنی بات پر قانع نہ ہوئیں اور ذرا کھل کر ایک نئی لائن اختیار کی جس کے سرخیل مذکورہ مولوی عبدالرشید نعمانی اور قاضی مظہر حسین چکوالی ہیں۔ آجکل ان کا کام دن رات یہی ہے کہ یزید کو فی النار والسقر کر کے دم لیں گے۔ ان کی دیکھا دیکھی انوار الحسن شیرکوٹی بھی اس میدانِ جہاد میں کُود پڑے ہیں۔

منفی انداز پر کام کرنے والی ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی نہایت منظم انداز میں بڑی سرگرمی سے مصروفِ عمل ہے اور وُہ صورت ہے کذب 'افتراٗت' بہتانات اور الزامات کی بھٹی سے نکلی ہوئی "پاکستان میں فتنہ خارجیت" کی آواز۔ اس کارِ خیر کے بانی کو یہی معلوم نہیں کہ خوارج کون تھے؟ ان کی ابتدا کب ہوئی۔ وُہ کیسے بڑھے۔ پھیلے پھولے اور پھر ایسے غرق ہوئے کہ آج سوائے عمان کے ان کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔

اس مقام پر میں خوارج کے متعلق قارئین کی معلومات میں اضافے کے لیے چند اشارات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اس فتنہ کے بانی جس غلط فہمی کا شکار ہو کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اس سے کسی حد تک واقف ہو جائیں۔

تھا کہ تشریف لایئے۔ پھل پکے ہوئے ہیں۔ باغ سرسبز و شاداب ہیں۔ ہم تمام آپ کو

(۱)۔ پہلا خارجی قبیلہ بنو تمیم کا عبداللہ ذوالخویصرہ تھا جس نے حضور اکرمؐ کے حضور میں گستاخانہ طور پر ایک دفعہ تقسیم مال کے وقت کہا تھا۔ اے اللہ کے رسول۔ اللہ سے ڈرو اور سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیف اللہ خالدؓ نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ نے منع فرما کر کہا من ضئضئ ھذا اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے جن کی عبادت کے سامنے تم اپنی عبادتوں کو ہیچ سمجھو گے او کما قال (بخاری کتاب المغازی صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ) امام المبرد لکھتے ہیں اس کی نسل سے مراد اس کی جنس سے ہے یعنی ذوی الخواصرہ ایک شخص نہیں بلکہ ایک ذہنی رویّہ ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں یہ انتشار انگیز رویّہ سر نہ اُٹھا سکا۔

(۲)، دُوسری بار خوارج کا فتنہ ایک منظم صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ابن ابی حاتم سیدنا عروہؓ سے اور وہ صدیقہ کائناتؓ سے روائت کرتے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ جب سیدنا عثمانؓ کے خلاف عیب جوئی اور طعنہ زنی کرنیوالے ظاہر ہوئے تو ان کی عبادت دیکھ کر اصحابؓ رسولؐ کو اُن کے مقابلے میں حقیر پایا مگر جب میں نے اُن کے حالات پر غور کیا تو اذا ھم فواللہ ما یقاربون عمل اصحاب رسول اللہ۔ خدا کی قسم ان کے اعمال اصحابؓ رسولؐ کے مقابلے میں ہیچ نظر آئے۔

(۳) شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد یہ لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے۔ آگے چل کر ان سے بھی بغاوت کی (فتح الباری کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ)

(۴) امام ابن کثیر لکھتے ہیں: اس میں اور دوسری مثالوں میں کھُلی دلیل ہے کہ سیدنا عثمانؓ کے اُن خارجی قاتلین نے اللہ اُن کا ستیاناس کرے صحابہ کرامؓ کی طرف و جوانب میں جھوٹے خطوط لکھے اور عوام کو سیدنا عثمانؓ کے قتل پر اُکسایا (البدایہ والنہایہ جلد، صفحہ ۱۹۵ سطر ۲۰-۲۱ کا ترجمہ)

(۵) امام ابن کثیر مشہور شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں: یہ صحابہؓ پر جھوٹ ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف خارجیوں کو خطوط لکھے ایسے خطوط تو سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا علیؓ کی طرف سے خارجیوں کو لکھے گئے (البدایہ والنہایہ جلد، صفحہ ۱۷۵ سطر ۱۰ تا ۱۲)

اپنا امیر تسلیم کر چکے ہیں۔ آپ پہنچیے اور یزید کے خلاف جہاد شروع کیجئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنے تمام کنبہ کو لے کر عازم کوفہ ہوئے۔ لگے ہاتھوں سرسری طور پر ہم یزید

کا ترجمہ)

(۶) ۔ امام ابن تیمیہ نے بھی سیدنا عثمان کے خلاف بغاوت کرنیوالوں کو خارجی قرار دیا ہے۔

وَاما الّذین طلبوا قتل مروانؓ فقوم خوارج مفسدون فی الارض جن لوگوں نے امیر مروانؓ کے قتل کا مطالبہ کیا وُہ خارجی تھے اور زمین میں فساد پھیلانے والے (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۸۹)

اس قسم کی بیسیوں تصریحات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اس تالیف کی تنگ دامنی ان کی متحمل نہیں ہو سکتی نیز یہ ایک الگ موضوع ہے اس مقام پر صرف اس قدر بتانا مطلوب ہے کہ خوارج شیعوں سے نہیں نکلے بلکہ شیعہ خوارج سے نکلے ہیں

قاضی صاحب کے تخیل وتصور سے بھی یہ امر ماورای ہے کہ خارجی کون تھے اور نہ ہی وُہ کتب قاضی صاحب کی دسترس میں ہیں جن میں خوارج کا ذکر ہے۔ خوارج اصل میں وُہ تھے جنہوں نے سب سے پہلے سیدنا ذوالنورینؓ کو شہید کیا۔ پھر سیدنا علیؓ کے جانثار اور عقیدت مند بن کر نمودار ہوئے۔ مگر جب آنجنابؓ کو اپنے ڈھب کا نہ پایا تو ان سے الگ ہو گئے وہ اصطلاح عوام میں خارجی مشہور ہوئے اور جو آنجنابؓ کے ہمرکاب رہے وُہ شیعانِ علیؓ کے نام سے موسوم ہوئے۔

خوارج کے نزدیک سیدنا عثمانؓ۔ سیدنا امیر معاویہؓ۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ۔ سیدنا علیؓ سب کے سب واجب القتل تھے وہ لوگ صرف حضرات شیخینؓ کو خلفائے حق سمجھتے تھے مگر جو شیعانِ علی کہلائے انہوں نے حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد سوائے تین چار کے سب کو منافق۔ فاسق۔ فاجر۔ غاصب۔ الفحشاء والمنکر قرار دیا۔

یہ چند سطور صرف اس لیئے نوکِ قلم پر آگئی ہیں کہ اُن عقل کے اندھوں کو شاید سمجھ آ جائے کہ جو لوگ سیدنا عثمانؓ۔ سیدنا امیر معاویہؓ۔ سیدنا عمرو بن العاص اور سیدنا علیؓ کی خاکِ پاکو حاصلِ کرامات دارین سمجھتے ہیں وہ خارجی نہیں۔ آج جو لوگ خوارج کے معتقدات کے خلاف سینہ سپر ہیں اور جو

پر بھی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ امیر یزیدؒ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) **بیعت خلافت سے پہلے:** دس سال آپ ولی عہدِ خلافت رہے اور تمام مملکتِ اسلامیہ سے آپ کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہوئی بلکہ تین سال لگاتار ۵۱-۵۲-۵۳ ہجری میں امیر حج مقرر ہوئے اور ہزاروں صحابہؓ اور لاکھوں تابعین نے آپ کی امارت میں حج کیئے اور آپ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ جہاد قسطنطنیہ میں سالار لشکر رہے۔ اسی جہاد میں میزبان رسولؐ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ نے وفات پائی۔ آپ نے وفات کے وقت امیر یزیدؒ کو اپنا وصی مقرر کیا اور امیر یزید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲) **آپ کے خلیفہ منتخب ہونے پر:** سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا "یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہیں"

انساب الاشراف ۴ : ۲

الامامۃ والسیاسۃ ۱ : ۱۶۴

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے کنبہ کے افراد اور اپنے متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا ہم نے امیر یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اُس کے رسول کے نام پر بیعت کی ہے۔

سیدنا ذوالنورینؓ۔ سیدنا علیؓ۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے تقدس مآب دامنوں سے خوارج کے اڑائے ہوئے چھینٹے دُور کرنے کو موجبِ نجات سمجھ کر اس کام میں جُٹے ہوئے ہیں انہیں خارجی کہا جا رہا ہے۔ میرے جیسے ایک دینی طالب علم کے پاس اس قسم کے لوگوں کیلئے جواب محض تضیعِ اوقات ہے اور مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسی ذلیل حرکت یہ کہتے ہوئے پناہ مانگتا ہوں فان کان کما قال والا رجعت۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شر سے بچائے جو مسلمانوں کو خارجی کہہ کر کفر کے دست وبازو بن رہے ہیں۔

اب کسی کو اس بیعت کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ۔امیر یزید کی خلافت کے زمانہ میں ہی سیدنا علیؓ بن حسینؓ (زین العابدین) نے آپ کے متعلق وصلی اللہ علیٰ امیر المؤمنین فرمایا۔

(۳) سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے دمشق میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو امیر یزیدؒ کو بلا کر اپنا وصی کیا۔ یہاں اس امر کو پیش نظر رکھیئے کہ اپنی موت کے وقت ہر انسان اپنی جائداد یا مال اور اولاد کا اس آدمی کو نگران مقرر کرتا ہے جو اسکی نظر میں سب سے زیادہ دیانتدار امانتدار، متقی اور پرہیزگار ہوتا ہے۔ سیدنا عبدالمطلب ہاشمی تھے اور اس وقت بیسیوں ہاشمی دمشق میں موجود تھے مگر وہ اپنا وصی ایک نوجوان اموی کو مقرر کرتے ہیں۔ اور وہ اموی یزید تھا۔ امیر یزیدؒ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا۔ لوطی پر حد جاری کی۔ دُور کے پہاڑوں سے نہر یزید کھدوا کر لاکھوں تشنگان کے لئے تا قیامت خوشگوار پانی سے صحراؤں میں بسنے والے پیاسوں کیلئے سیرابی کا انتظام فرمایا۔

(طبقات ابن سعد، جمہرۃ الانساب، البدایہ والنہایہ، الاصابہ)

یہی وجوہات تھیں کہ جب سیدنا حسینؓ نے اقدام خروج فرمایا تو اس بھری دُنیا میں آپ کا کسی فردِ واحد نے ساتھ نہ دیا بلکہ آپ کے خاندان کے لوگ آپ کو روکتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے چچا زاد سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ جو سیدہ زینب کے شوہر تھے انہوں نے ہر چند منع کیا مگر آپ نہ رُکے اور آپ کی زوجہ سیدہ زینبؓ جب اپنے بھائی کے ہمراہ سفر کے لیئے بضد رہیں تو سیدنا عبداللہ نے انہیں طلاق دے دی۔ آگے چلئے اور دیکھئے کہ جب سیدنا حسینؓ کے کنبہ کی خواتین اور بچ نکلنے والے نوجوان اور بچے دمشق پہنچے اور وہاں سے وہ سب عازم مدینہ ہوئے تو سیدہ زینبؓ نے اپنے سوتیلے داماد یعنی امیر یزیدؒ کے حُسن سلوک سے متاثر

ہو کر دمشق میں ہی اقامت پسند فرمائی۔ سیدہ زینبؓ کا مزار آج بھی دمشق میں موجود ان حقائق کی منہ بولتی تصویر ہے۔ سیدنا حسین نے اپنے بھائی عمر الاطرافؓ کو اپنے ساتھ خروج کے لئے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور جب انہیں آپ کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ میں تو ایک محتاط نوجوان تھا۔ مجھے حسینؓ نے ہر چند خروج کے لئے کہا تھا مگر میں نے انکار کر دیا اور اس ہلاکت سے بچ نکلا۔ (عمدۃ الطالب)

سیدنا محمد بن علی المشہور محمد بن الحنیفہ جو جنگِ صفین کے ایک جانباز ہیرو تھے انہوں نے اپنے بھائی کو بڑی شدت سے روکا کہ کوفہ کا سفر نہ کیجئے مگر آپ نہ رُکے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ میں سے ابوسعید الخدریؓ۔ ابو واقد لیثیؓ۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا جابرؓ بن عبداللہؓ نے ہر چند آپ کو روکا مگر آپ نے سب کی خواہشات کو ٹھکرا دیا۔ سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ جو آپ کے چچا زاد تھے انہوں نے ہر چند منع کیا اور نہایت رقت بھرے انداز میں کہا کہ مجھے آپ کی خاطر مطلوب ہے میں آپکو اس طرح پکڑ کر روکتا کہ لوگ تماشا دیکھتے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میں تمہیں سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ کر روکتا۔ کیا اس بھری دُنیا میں کسی ایک پر امیر یزیدؒ کے خلاف جہاد کرنا ضروری نہ تھا اور لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی وسیع سلطنت میں صرف ایک حسینؓ پر یہ جہاد فرض ہو کر رہ گیا تھا اور اگر آپ کا موقف مبنی برحق تھا تو مدینہ میں یا مکہ میں آپ نے اعلان جہاد کیوں نہ فرمایا۔ یہ سب کچھ صرف کوفہ پر ہی کیوں منحصر ہو کر رہ گیا تھا۔

یہ سب امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سفر محض اہل کوفہ کے خطوط کی بنا پر کیا اور کسی حکومت کے خلاف خروج کرنے کیلئے جن وسائل کی ضرورت ہوتی ہے انہیں سراسر نظر انداز کر دیا مگر جب آپ کو سیدنا مسلمؓ بن عقیلؓ کے قتل کی خبر ملی اور آپ نے اپنی تدابیر کو الٹ ہوتے دیکھا تو اپنی فراستِ ایمانی کی بنا پر اپنے مؤقف سے رجوع فرما لیا۔ مسلمؓ کے قتل کی خبر سُنکر آپ نے راستہ سے ہی واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم کے بھائیوں

نے کہا ہم یا تو اپنے بھائی مسلم کے قتل کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر مرجائیں گے۔ سیدنا حسینؓ کے لئے یہ بڑا صبر آزما وقت تھا۔ خواتین حرم اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمراہ ہیں جس اُمید پر یہ دور دراز کا سفر اختیار کیا وہ ختم ہو چکی تھی۔ مسلم کے بھائی واپسی کے ارادہ میں مانع تھے اور ساتھ ہی وُہ ساتھ کوفی جو مکہ سے آپ کو اپنے ہمراہ لائے تھے انکی تدابیر اور خواہشات بھی آپ کی واپسی کی صورت میں دم توڑتی نظر آتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی پینترا بدلا اور کہنا شروع کیا۔

یا حضرت! مسلمؓ کی بات اور تھی اور آپ کی بات اور ہے۔ آپ جوں ہی کوفہ پہنچیں گے تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

صرف باتیں کرنا۔ ہوائی قلعے بنانا اور ہائے حسینؓ کے نعرے لگا کر سینہ کوبی کرکے یہ سمجھ لینا کہ ہم نے محبت حسینؓ ہونے کا حق ادا کر دیا ہے الگ بات ہے مگر جو حالات اس موقع پر سیدنا حسینؓ کے سامنے تھے ان سے عہدہ برآ ہونا ؏

شیر مرد باید دریائے دل مردانہ

یہاں جذبات کی وادی سے نکل کر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ جب آپ نے حالات کی نزاکت دیکھ کر واپسی کا ارادہ فرمایا تو کہاں رہ گیا۔ فریضۂ جہاد کا بلند بانگ نظریہ کیا اس وقت یزید فاسق وفاجر نہیں رہا۔ اگر مسلمؓ بن عقیلؓ کے بھائی سفر جاری رکھنے پر بضد نہ ہوتے تو ؏

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

والا نظریہ تو خاک میں مل جاتا۔ بہرحال سفر جاری رہا اور جب عامل کوفہ کی طرف سے بھیجا ہوا لشکر حُرّ بن یزید ریاحی کی سرکردگی میں سامنے آیا تو آپ نے اس کے سامنے بقول شیعیت تین شرائط پیش کیں۔ مجھے واپس جانے دو۔ مجھے سرحدات کی طرف نکل جانے دو، مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں مگر حُرّ نے آپ کی ایک بات نہ سُنی اور آپ کوفہ کی طرف رواں دواں رہے مگر جب اُس مقام پر پہنچے جہاں سے ایک راستہ کوفہ کو جاتا ہے اور دُوسرا دمشق کی طرف

جاتا ہے تو آپ نے حُر کی طرف سے رُکاوٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دمشق کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ ۱۰ ارمحرم صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے جو آج کربلا کے نام سے موسوم ہے۔ لیجئے یہاں ایک اور شگوفے نے سر نکالا۔

سیدنا حسینؓ نے کربلا کی زمین خریدی:

عالیجناب قدوۃ الابرار زبدۃ الاخیار مولانا حاجی آل احمد مدظلہ العمر لکھتے ہیں۔ "ریاض الشہادتین میں ہے بعد از آنکہ آنحضرت در آنجا قرار گرفت۔ اہل قادسیہ وسائر اعرابی کہ در آں موالی بودند و مالک زمین کربلا بودند طلبید" جب حضرت حسینؓ وہاں مقیم ہوئے تو اہلِ قادسیہ اور وہاں کے موالیوں کو جو اس زمین کے مالک تھے بلایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ ماریہ۔ غافر اور نینوا۔ قادسیہ، شفیہ اور عقر وغیرہم قریات اور گاؤں جو کربلا کے گرد تھے اور عرب ان میں رہتے تھے وہ سب کربلا کی زمین کے مالک تھے اور قابض تھے۔ (کربلا کا لق و دق صحرا یک لخت کئی آباد دیہاتوں کے درمیان ایک مزروعہ خطہ بن گیا)۔ ان کو اپنے پاس طلب فرمایا تمقام میں قادسیہ کے واسطے لکھا ہے کہ درمیان قادسیہ اور کوفہ کے پچیس فرسخ کا فاصلہ ہے اور غریب اور قادسیہ کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے۔ الحاصل اشخاص مطلوبہ سے جناب حسینؓ نے ...... اس زمین کو زرِ خطیر دے کر خرید لیا۔ اس روایت میں مولانا محمد حسین قزوینی نے زمین اور زربیع کی تعداد نہیں لکھی مگر مائتین میں بحر المصائب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار درہم سے خریدی.......... کتاب زیارات میں محمد بن داؤد قمی نے لکھا ہے نینوا اور فاخریہ کے لوگوں سے ساٹھ ہزار درہم میں خریدی۔ جعفر صادق نے فرمایا وہ چار میل مضروب یعنی سولہ مربع میل ہے۔

(ملخص تصویر کربلا صفحہ ۲۳ - ۲۴)

یہ زمین کی خریداری اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ آنجنابؓ نے مستقل طور پر وہاں قیام کا ارادہ فرما لیا تھا.......... یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مقام آخر کس کی قلمرو میں تھا۔

بہر حال آپ جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو حرؒ نے عامل کوفہ کو اطلاع بھیجی۔
عامل کوفہ نے نہایت دُور اندیشی سے کام لے کر سیدنا حسینؓ کے دو ماموں عمرؒ بن
سعد اور شمر ذی الجوشن کو کوفہ روانہ کیا۔ عمرؓ کے والد سیدنا سعدؓ بن ابی وقاص
حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ اس لحاظ سے امیر عمر سیدنا حسینؓ کے
ماموں ہوئے۔ سیدنا ذی الجوشن سیدنا علیؓ کے سسر تھے اور امیر شمر سیدنا علیؓ کے
کے سالے تھے۔ ان کے دو سگے بھانجے سیدنا حسینؓ کے قافلہ میں تھے امیر ابن زیاد
نے اس لیئے ان دو امیروں کو سیدنا حسینؓ کے پاس بھیجا کہ اس رشتہ داری کی
وجہ سے آپس میں آزادانہ گفتگو ہو سکے۔ امیر عمر بن سعد چاہتے تھے کہ سیدنا حسینؓ عامل
کوفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں جو درحقیقت ایک رسمی کارروائی تھی۔ کسی عامل کے ہاتھ پر
بیعت کرنی دراصل خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت ہوتی ہے مگر آپ براہ راست امیر
یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ شاید عامل کوفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا آپ
نے اپنی عالی نسبی کے خلاف سمجھا ہو اور چونکہ آپ عازم دمشق ہو چکے تھے اسلیئے
امیر عمر سعد نے امیر ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیئے زور بھی نہ دیا۔ اب
دمشق کا سفر آپ کو سرکاری فوج کی معیت میں کرنا تھا۔ مکہ سے ہمراہ آنے والے
ساٹھ کوفیوں نے جب دیکھا کہ سیدنا حسینؓ دمشق سفر کے لیئے تیار ہو گئے ہیں تو
انہیں اس صورت میں صریحاً اپنی ہلاکت نظر آئی۔ چونکہ اس تمام فتنہ کے کرتا دھرتا
اور بانی مبانی وہی تھے۔ انہوں نے کھسکنا چاہا مگر امیر ابن سعد نے ان کے اس
باغیانہ جرم کی وجہ سے انہیں محاصرے میں لے لیا۔ ظہر اور عصر کے درمیان قافلۂ حسینؓ
کے لوگ کچھ دوگانہ ادا کرنے میں مشغول تھے اور کچھ کھانا کھانے میں مصروف تھے تاکہ
ہر طرح سے فارغ ہو کر سفر کیا جائے۔ اس دوران کوفی غداروں نے اپنے خیموں
میں ایک نہایت خطرناک منصوبہ بنایا۔ انہوں نے سوچا کہ ہمارے خطوط حضرت حسینؓ کے
پاس موجود ہیں جو ہمارے جرم کے شاہد ہیں۔ بہتر ہے کہ اچانک حملہ کر کے حسینؓ کو ختم
کر دیا جائے۔ اس افراتفری میں سرکاری فوج کا حصار ٹوٹ جائے گا تو امکان ہے کہ

اپنے کچھ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ورنہ دمشق پہنچائے گئے یا کوفہ پہنچائے
گئے ہر صورت میں غداری کے جرم کی سزا سے بچنا امر محال ہے۔ یہ منصوبہ بنا کر وہ خیام
حسینی پر ٹوٹ پڑے۔ جب چیخ و پکار کی آواز سرکاری فوجوں کے کانوں میں پہنچی تو
وہ لپکتے ہوئے پہنچے مگر کوفی غدار اپنا کام کر چکے تھے۔ سرکاری فوج نے انہیں بھی
ختم کر دیا۔ شہداء کو دفن کیا گیا۔ زخمی افراد اور خواتین عظام کو کوفہ پہنچایا گیا اور اسکے
بعد سرکاری فوجوں کی حفاظت میں انہیں دمشق روانہ کر دیا گیا۔ کوفیوں نے جس طرح
جمل و صفین میں اچانک حملہ کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا تھا اسی طرح کربلا میں سیدنا
حسینؓ کی جان لے کر ٹلے۔ یہ سانحہ ایک اچانک حملے کی صورت میں افراتفری کے
عالم میں پیش آیا اور سرکاری فوج کے آنے تک جو بچ گیا سو بچ گیا ورنہ سیدنا
زین العابدینؒ بھی نہ بچ سکتے۔ یہ کسی قسم کی شاعری ہے نہ اس سانحہ کے خلاء کو پُر
کرنے کی کوشش۔ آئیے آج دنیا بھر کی جس تاریخ کو چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو
کہیں بھی یہ لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا کہ امیر عمر بن سعد کی فوج کے ہاتھوں سیدنا
حسینؓ مقتول ہوئے۔ عینی شاہدوں میں اہم ترین گواہ سیدنا علیؓ بن حسینؓ (زین العابدین)
ہیں۔ دوسرے درجے پر سیدہ زینبؓ بنت سیدنا علیؓ اور ان کے بعد سیدہ سکینہؓ
اور سیدہ اُمّ کلثوم وغیرہ وغیرہ۔ مردوں میں سیدنا حسن کے جواں بیٹے ..... حسن مثنےٰ
سب کی زبان سے ہر موقع پر ہر مجلس میں یہی کلمات نکلتے رہے۔ اے کوفیو!
تمہیں غارت کرے۔ تم نے پہلے ہمیں خطوط لکھ کر بلوایا اور جب ہم تمہارے پاس
پہنچے تو تم نے نہایت بے دردی سے ہمیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

انسان میں حیاء، دیانت، عقل، شرافت یا صداقت میں سے کسی ایک کا ایک
کروڑواں حصہ موجود ہو تو وہ کبھی نہ کبھی وقت کسی حد تک شرم سے ہی سچ کہنے پر
مجبور ہو جاتا ہے مگر ابن سبا نے انہیں کذب و افتراء کا عجیب بپتسمہ دے کر شرافت
کے تمام اخلاق سے کلیتہً محروم کر دیا تھا۔ آج ان کا ہر کہہ و مہ ہر مجلس میں ہر مقام
اپنی ہر تالیف میں امیر عمرو بن سعد۔ امیر ابن زیاد اور امیر یزیدؒ پر برستا گرجتا

نظر آئے گا۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پُوچھے کہ جب علوی شہزادے (بقول ان کے پا بجولاں) یزید کے پاس پہنچے تو اس نے ان سب کو قتل کیوں نہ کرا دیا۔ انہیں اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کیوں کھلواتا رہا۔ ہر وقت ان کی تالیف قلب میں کیوں مصروف رہا۔ انہیں کیوں نہائیت عزت و تکریم سے مدینہ روانہ کیا اور آخر سیدہ زینبؓ اس کے پاس کیوں رُک گئیں ؎

کچھ اور بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بنا دیا ہے پہاڑ زیبِ داستاں کے لیئے

دورِ حاضرہ کے مشہور شیعہ مؤلفین صاحب مصباح الظلم و صاحب شہیدِ اعظم نے نہایت دیانت داری سے اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ کربلا کا کوئی واقعہ بھی صحیح صورت میں ہمارے سامنے موجود نہیں۔ چنانچہ "مجاہدِ اعظم" کے شیعہ مؤلف لکھتے ہیں:

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سینکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی جانتے ہیں کہ طبقہ علماء کے بڑے بڑے اراکین مفسرین ہوں یا محدثین۔ مؤرخین ہوں یا دُوسرے مصنفین متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے سمجھے نقل کرتے آئے ہیں اور ان کی صحت اور غیر صحت کا معیار اصول پر نہیں جانچا اس تساہل اور تسامح کا نتیجہ یہ ہُوا کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام۔ خواص کے قلوب واذہان میں ایسے راسخ اور استوار ہوگئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہیات کا انکار ہے۔ (مجاہدِ اعظم صفحہ ۱۶۲)

جناب سید حسین عارف صاحب نے دیکھا ہوگا کہ مجاہدِ اعظم میں پچیس سے زیادہ اس قسم کے قصے بیان کرنے کے بعد موصوف نے انہیں مبنی بر کذب و دروغ قرار دیا ہے۔ خود جناب حسین عارف صاحب نے اپنی تالیف "تذکرہ علمائے امامیہ" میں کسی سید محمد مہنی مجتہد کے حالات کے ذیل میں ان کی تالیف "شہادتِ کبریٰ" پر تبصرہ کرتے

ہوئے مجتہد صاحب کو مخاطب کر کے لکھ چکے ہیں کہ "واقعاتِ کربلا کے کون کون عادل افراد عینی شاہد ہیں؟" اور مجتہد صاحب نے اس کا جواب حیثیت ازالہ عرفی کے استغاثہ سے دیا۔

جناب حسین عارف صاحب نے اپنے مجتہد صاحب سے پُوچھنے کا محض تکلف فرمایا ہے۔ ان صاحب کا اجتہاد تو "یا حسین" سے شروع ہو کر "ہائے حسینؓ" پر ختم ہو جاتا ہے۔ عینی شاہدوں کے متعلق تاریخ سے پُوچھئے اور لگے ہاتھوں یہ بھی سُن لیجئے کہ آپ کی تمام مستند کتب پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حسینؓ کے قاتل صرف اور صرف کوفی شیعہ تھے مگر آپ کے اخلاقی دیوالیہ پن کی داد نہ دینا بھی ایک قسم کی ناانصافی ہے کہ آپ کے انہی بزرگوں نے ان تمام جرائم کا الزام نہایت چابکدستی اور پرکاری سے امیر یزیدؒ۔ ابن زیادؒ۔ عمرو بن سعدؒ اور شمرؒ کے سر تھوپ دیا۔

ان تصریحات کی روشنی میں علمائے حق نے ہمیشہ سیدنا حسینؓ کے اپنے مؤقف سے رجوع کی تائید میں شواہد و نظائر پیش کر کے محبتِ حسینؓ کا حق ادا کرنے کی سعادت حاصل کی اور الحمدللہ کہ ہم نے علمائے حق کی اتباع بیانی کا حق ادا کرنے کا اس حد تک حق ادا کیا کہ اس حمایتِ حسینؓ کے جرم میں ان نام نہاد محبانِ حسینؓ کی مخالفت کی وجہ سے جو محبانِ حسینؓ کا لیبل لگائے۔ محرم کے دس روز آہ و فغاں، نالہ و شیون سینہ کوبی اور ہائے ہائے کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے محبِ حسینؓ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ جیل کی ہوا بھی کھائی اور اس حق گوئی میں جان بھی چلی گئی تو پرواہ نہیں کریں گے۔

ایک معترض کا کہنا ہے کہ ماتم اگر جائز بھی ہو تو وہ کسی کی موت کے بعد ہوتا ہے مگر یہ عجیب محبانِ حسینؓ ہیں کہ سیدنا حسینؓ کی شہادت سے دس دن پہلے آہ و فغاں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جب آنجناب واصل بحق ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ بھی اپنی ماتم کی صفیں لپیٹ دیتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب تک حسینؓ ان کے قابو میں نہ آئے یہ چیخ و پکار مچاتے رہے اور جب قابو میں آ کر ان کے ہاتھوں شہید ہو جاتے ہیں تو ان کے گھر دیگیں پکنا شروع ہو جاتی ہیں۔

انہیں کیا معلوم حسینؓ کا مقام کیا تھا

ان نام نہاد محبانِ حسینؓ سے زیادہ قابلِ رحم حالت اُن جہلاء سُنیوں کی ہے جنہوں نے اپنے ناموں کے ساتھ بھاری بھرکم اور عجیب وغریب خود ساختہ سابقے اور لاحقے ٹانک رکھے ہیں۔ یہ لوگ دین سے بیگانہ، عقل سے تہی دامن، شعور و فرزانگی کے ناموں سے بھی ناآشنا ـــــ جہاں سے اور جب بھی انہیں آذوقۂ سبائیت سے کچھ ملا انہیں فضاؤں میں کہیں خارجیت کے ہیولے سرسراتے نظر آئے۔ کہیں یہ لوگ "ہائے چند" کے مرض میں مبتلا ہو کر یزید کو فی النار والسقر کرنے پر تُل گئے۔ کہیں پیرِ طریقت بن کر خود ساختہ لغروں سے عوام کو فریب دے کر ان کی جیبیں خالی کرنے کے وسائل ڈھونڈ نکالے۔ ایسے لوگ ہر دَور میں پیدا ہوتے رہے اور ختم ہوتے رہے مگر مردانِ حُر آنکھیں بند کیے اپنے کاموں میں مصروف رہے۔

یہ تمام باتیں اگرچہ ضمنی طور پر نوکِ قلم پر آگئیں مگر ان کی روشنی میں سیّدنا حسینؓ کی پیش کردہ تیسری شرط" ان اضع یدی فی ید یزید" کو سمجھنے کے لیے اس کا پس منظر بھی کسی حد تک سامنے آگیا۔ یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ جناب حسین عارف صاحب نے میری تالیف "سیّدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع" میں مندرج مواقف میں سے ایک پر کسی قسم کا اظہارِ خیال نہیں فرمایا۔ اور آخر وہ کہتے بھی کیا جبکہ ان کی تمام مستند کتب ان ہی واقعات سے بھری پڑی ہیں جو میں بیان کر کے مجرم گردانا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں مصروف تھے کہ کہیں سے کچھ تو ہاتھ آئے کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالی جائے۔ اچانک کہیں بہت دُور سے آپ کو عقبہ بن سمعان کا تنکا ملتا نظر آگیا۔ آپ بگٹٹ اس کی طرف بھاگے مگر کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کے مصداق پھر بھی ہاتھ کچھ نہ آیا۔

میں نے جب سُنا کہ جناب حسین عارف صاحب نے میری تالیف کے تعاقب یا تردید میں ایک کتاب تالیف فرمائی ہے تو شوق پیدا ہُوا کہ دیکھوں آخر موصوف نے اس میں مندرجہ واقعات میں سے کس واقعہ کی تردید فرمائی ہوگی اور تردید میں کونسا علمی جواب قلمبند فرمایا ہوگا مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آپ کے صرف تیسری شرط پر بحث کرنے نے یہ حقیقت واضح طور پر آشکارا کر دی کہ میرے کتابچہ میں مندرج تمام واقعات بالکل درست ہیں۔ انشاءاللہ وہ دن دُور نہیں جب واقعہ کربلا کی صحیح داستان نکھر کر پڑھے لکھے آدمی کی آنکھوں کے سامنے آجائیگی۔

ماہنامہ "میثاق" لاہور بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"فاضل مؤلف نے قاری کے لیئے دو راہیں متعین کر دی ہیں یا تو وہ حسینؓ کے مؤقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذاللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کا مرتکب قرار دے یا اس کے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حسینؓ کو اپنا مؤقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا"۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے مؤقف سے رجوع فرما کر اپنے آپ کو اس اضطرابی کیفیت سے بچا لیا تھا اور یہی بات آپ کی للّٰہیت پر دال ہے۔

ٹھیک بیس سال بعد اسی میثاق میں دورِ حاضرہ کے اجلِ عظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ، نے مارچ ۱۹۸۲ء کے شمارہ کے صفحہ ۴۷ تا ۸۷ میں مولانا اصلاحی کے مجمل اشارات پر اپنے مخصوص محققانہ انداز میں بحث کی ہے۔ مَیں کہتا ہُوں ڈاکٹر صاحب کے یہ چند صفحات اُس مسلمان کے لیئے مشعلِ راہ ہیں جس نے عقل و شعور سے کچھ حصّہ بھی پایا ہو۔

یہ بات جناب حسین عارف صاحب کے تصوّر سے بھی بہت دُور کی ہے کہ ایک صادق الایمان مسلمان سیّدنا حسینؓ کا بحالتِ خروج قتل ہونے کا تصوّر تک بھی کر سکے۔ یہ سعادت دُنیا میں بسنے والے بمشکل اڑھائی تین کروڑ شیعوں کے لیئے اسوجہ سے باعثِ فخر ہو سکتی ہے کہ ان کے عقائد میں حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد سوائے تین چار کے تمام صحابہ کرامؓ مرتد ہو گئے تھے مگر اسّی نوّے کروڑ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ سیّدنا حسینؓ نے آخر میں اپنے مؤقف سے رجوع فرما لیا تھا اور آپ بے گناہ مقتول ہوئے۔ اگر آپ بحالتِ خروج قتل ہوتے تو حضور اکرمؐ کے ارشادات جو کسی دُوسرے مقام پر بیان کیئے گئے ہیں۔ مسلمان ان کی روشنی میں آپ کے مقتول ہونے کو دیکھتے

افسوس کہ مسلمان تو سیدنا حسینؓ کی ذاتِ اقدس سے بہتانات و افتراآت کا گرد و غبار دُور کرنے کی سعی میں ہوں اور ان کے نام نہاد محبین مفرط ان کو پھر انہیں کانٹوں میں گھسیٹنے کی سعی میں سرگرم عمل ہوں۔

اب آیئے ہم شیعہ کتب سے ہی سیدنا حسینؓ کی فطری پاک طینتی، ایمانی فراست اور عالی حوصلگی کے وہ شواہد و نظائر پیش کرتے ہیں جن میں سے چند ایک ہم نے "سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع" میں بیان کر چکے ہیں اور باقی اس تالیف میں بیان کرتے ہیں۔

جناب حسین عارف صاحب کے لیے عقبہ بن سمعان گویا ایک اندھے کے لئے لاٹھی بن کر نمودار ہوا۔ کاش کہ موصوف کو درج ذیل کتب میں سے کوئی ایک کتاب دیکھنے کی توفیق نصیب ہوتی۔

مؤرخین کے ہاں "حتی اضع یدی فی ید یزید" کی روایت متفق علیہ ہے سیدنا حسینؓ نے امیر عمرؒ بن سعدؓ کو جو مصالحت نامہ پیش کیا تھا اس میں یہ الفاظ تھے "فسیرنی الی یزید فاضع یدی فی یدہٖ فیحکم فی ما اراہ" پس آپ مجھے یزید کے پاس جانے دیں تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ پھر میرے متعلق جو مناسب ہوگا وہ خود ہی فیصلہ کرے گا معمولی سے لفظی تغیر کے ساتھ یہ روایت مختلف شیعہ کتب میں تواتر کی حد تک موجود ہے۔

۱۔ فاضع یدی فی یدہ فیحکم فی ما اراہ

۲۔ اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ

۳۔ اوان یاتی یزید امیرالمومنین فیضع یدہ فی یدہٖ

۴۔ وطلب ان یردوہ الی یزید ابن عمہ حتیٰ اضع یدہ فی یدہٖ

دراصل یہ لفظی اختلاف نہیں بلکہ جوں ہی حُرؒ آپؓ کے درپے آزار ہوا اور آپ نے کوفہ کا راستہ چھوڑ کر دمشق کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کی زبان سے مختلف مواقع پر ایک ہی مفہوم کے کلمات مختلف الفاظ کی صورتوں میں نکلتے رہے۔

مذہب شیعہ کی درج ذیل کتب میں سیدنا حسینؓ کے یہ کلمات موجود ہیں۔

۱۔ عمدۃ الطالب
۲۔ کتاب الارشاد صفحہ ۲۰۱ طبع ۱۳۶۴ھ
۳۔ تنزیہہ الانبیاء والائمہ صفحہ ۱۷۷ شریف مرتضیٰ طبع ۱۳۵۰ھ
۴۔ مقاتل الطالبین صفحہ ۷۵ ابوالفرج اصفہانی طبع ۱۳۸۵ھ
۵۔ تلخیص شافی صفحہ ۱۸۲ ابوجعفر طوسی طبع ۱۳۰۱ھ
۶۔ اعلام الورٰی صفحہ ۲۳۳ علامہ طبرسی طبع ۱۳۳۸ھ
۷۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۶ ملا باقر مجلسی طبع ۱۳۵۵ھ
۸۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷ مرزا محمد تقی طبع ۱۳۰۹ھ
۹۔ لواعج الاشجان صفحہ ۱۰۱ ملّا محسن الامین آملی طبع ۱۳۸۳ھ
۱۰۔ منتہی الآمال جلد ۱ صفحہ ۳۳۴ شیخ عباس قمی طبع ۱۳۸۹ھ
۱۱۔ معالی السبطین صفحہ ۲۰۱ محمد مہدی ماژندرانی طبع ۱۳۵۵ھ
۱۲۔ شرح فارسی ارشاد صفحہ ۲۳۷ محمد باقر ساعدی طبع ۱۳۵۱ھ
۱۳۔ تاریخ امیر علی صفحہ ۸۵ (انگریزی) طبع ۱۹۴۴ء
۱۴۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۱۳ ابن جریر طبری طبع ۱۳۵۸ھ [ف۱]
۱۵۔ الامامت والسیاست جلد ۲ صفحہ ۷۔ کوئی مجہول الاسم شیعہ طبع ۱۳۸۶ھ [ف۱]

ف۱ بعض لوگ غلطی سے مؤرخ طبری کو سُنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سخت تقیہ باز رافضی تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی طبری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ طبری کی وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی ثقہ اور صادق ہے اس میں تھوڑی سی شیعیت اور موالات ہے جو مضر نہیں مگر معاً اس کے بعد ابن حبان کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ شیعوں کے اماموں میں سے ایک امام ہے۔ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے احمد بن علی سُلیمانی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ طبری کو بہت بُرا جانتے تھے چونکہ طبری رافضیوں کے لیے روایتیں گھڑتا ہے کچھ محدثین نے طبری کو علی الاعلان وضّاع کہا ہے طبری کے شیوخ سلمۃ الابرش۔ ابن سلمہ۔ ابو مخنف ہشام کلبی جابر جعفی اور سیف بن عمر جیسے کذّاب اور وضّاع کا خاص مقام ہے جو شیعہ تھے۔ تاریخ طبری میں بکثرت روافض اور شیعہ رواۃ ہیں جو

چند دیگر کتب جن میں "حتیٰ اضع یدی فی ید یزید" کی روایت موجود ہے۔

(۱۶)۔ تہذیب تاریخ دمشق جلد ۴ صفحہ ۳۳۵ ابن عساکر طبع ۱۳۳۲ھ

(۱۷)۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۴ ابن اثیر طبع ۱۳۴۸ھ

بات کا بتنگڑ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابن جریر کے شیعہ ہونے کی شہادت اس کے حقیقی بھانجے ابوبکر محمد بن عباس الخوارزمی متوفی ۳۸۲ھ نے بھی دی ہے۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں ابن جریر کے ترجمہ میں اسکے بھانجے الخوارزمی۔ کے دو شعر نقل کئے ہیں ؎

بآمل مولدی و بنو جریر ٭ لاخوالی و یحکی المرءُ خاله

آمل میں میری پیدائش ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموں سے مشابہ ہوتا ہے۔

فہا انا رافضیٌ عن تراث ٭ وغیری رافضیٌ عن کلالہ

تو سُن لو کہ میں پشتینی شیعہ ہوں اور میرے سوا جو بھی رافضی ہے وہ دُور کے لگاؤ سے ہے۔

ابن جریر کی تفسیر دیکھیں تو سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ اور سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵۵ کی تفسیر ہی اس کے غلیظ رافضی ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔ شیعہ رجال کے ماہر علامہ عبداللہ مامقانی نے اپنی کتاب تنقیح المقال (مطبوعہ ایران) میں شیعہ مذہب کی مشہور کتاب "روضات الجنات" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن جریر شیعہ تھا اور اس امر کے دلائل بھی دیئے ہیں۔

مُلا محمد حسین ڈھکو نے "احسن الفوائد" صفحہ ۱۲۰ پر ابن جریر طبری کا شیعہ ہونا تسلیم کیا ہے لیکن عوام کو ایک اور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ "ابن جریر طبری دو تھے ایک شیعہ اور ایک سُنی۔ جو صاحب تاریخ اور صاحب تفسیر ابن جریر ہے وہ سُنی ہے دوسرا شیعہ ہے" یہ سب بکواس ہے طبری ایک ہی ہوا ہے۔ تقیتہً اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرتا تھا اگر وہ ظاہراً شیعہ ہوتا تو امام سلیمانی کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کان یضع للروافض کہ وہ رافضیوں کے لیئے روایتیں گھڑتا تھا شیعہ ہو کر شیعوں کیلئے روایتیں گھڑنا کون سی قابل ذکر بات ہے۔ یہ تو اس کا اپنے ہم مسلک علماء کی طرح فرض تھا ہی۔ قابلِ ذکر بات تو یہی ہے کہ وہ سُنی بن کر شیعوں کی موافقت میں روایتیں گھڑتا تھا۔ اسی نے مسئلہ امامت میں ایک کتاب "المسترشد فی الامامت" لکھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اُسے اپنے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا تھا اسکی تاریخ کی آخری جلد کے صفحہ ۲۴ میں امیر معاویہؓ کے نام پر اور صفحہ ۲۹ میں امیر المؤمنین امیر معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کے ناموں پر لعنہما اللہ کے الفاظ موجود ہیں۔ کیا کوئی سُنی یہ جرأت کرسکتا ہے کہ کاتب وحی۔ خال المؤمنین۔ ہادی اہلسنت معتمد و محبوب حضرات

(۱۸)۔ راس الحسین صفحہ ۲۰ امام ابن تیمیہ طبع ۱۳۶۸ھ

(۱۹)۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۰ حافظ ابن کثیر طبع ۱۳۵۸ھ

(۲۰)۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ ابن حجر عسقلانی طبع ۱۳۵۸ھ

(۲۱)۔ ماثبت من السنۃ صفحہ ۲۶ شیخ عبدالحق محدث دہلوی طبع لاہور

(۲۲)۔ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۷۱ محمد بن علی حبان شافعی طبع ۱۳۲۲ھ

(۲۳)۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۲ سیوطی طبع ۱۳۴۸ھ

(۲۴)۔ شرح عقائد صفحہ ۴۵۱ طبع ۱۳۱۳ھ

شیخینؓ۔ فقیہہ صحابہؓ۔ مربّی حسنینؓ۔ بانی اسلامی بحریہ۔ رئیس المجتہدین ولی دم ذوالنورین۔ فاتح قبرص و شام و یورپ و افریقہ امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کی شان میں یہ کفریہ کلمات استعمال کرے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اسی طرح "الامامت والسیاست" جو ابن قتیبہ دینوری کی تالیف بیان کی جاتی ہے۔ محض ایک مغالطہ ہی نہیں بلکہ غلیظ قسم کا کذب اور بہتان ہے۔

(۱)۔ ابن قتیبہ کی ۳۷ تالیفات میں الامامۃ کا نام نہیں۔

(۲)۔ اس میں مصر کے دو علماء سے روایات بیان کی گئی ہیں۔ حالانکہ ابن قتیبہ کبھی مصر نہیں گئے۔

(۳)۔ اس میں فتح اندلس کی خبر موجود ہے حالانکہ فتح اندلس ابن قتیبہ کی ولادت سے ۱۲۰ برس پہلے ہوئی تھی

(۴)۔ قاضی ابو لیلیٰ سے روایت کی گئی ہے حالانکہ ابو لیلیٰ ابن قتیبہ کی ولادت سے ۶۵ سال پہلے بغداد کے قاضی تھے

(۵)۔ اس کتاب میں دمشق کا ذکر بھی موجود ہے حالانکہ ابن قتیبہ کبھی دمشق نہیں گئے

اس کتاب کے بد باطن رافضی مؤلف نے امیر یزید سے سیدنا حسینؓ کی مخالفت کی وجہ عبداللہ بن سلام گورنر عراق کی منکوحہ کو بہ دغا و فریب طلاق ہونے کے بعد اپنے نکاح میں لانا بیان کیا ہے۔ حالانکہ امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں سیدنا حسینؓ کبھی عراق نہیں گئے۔ پھر اس روایت میں سیدنا ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کو بھی ملوث کیا گیا ہے حالانکہ حضرت ابو الدرداء ۳۱ ہجری میں وفات پاچکے تھے۔

غرضیکہ الامامت والسیاست کسی غلیظ سبائی کی تالیف ہے۔ جس نے سیدنا امیر معاویہؓ کے خلاف کھلے دل سے زہر اُگلا ہے اور کتاب پر ابن قتیبہ کا نام لکھ دیا ہے۔

(۲۵) ۔ قاطع الالف

(۲۶) ۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

(۲۷)۔ انساب الاشراف حصّہ سوم

(۲۸)۔ نبراس ۵۴۱ عبدالعزیز پرہاروی متوفی ۱۲۳۹ھ

(۲۹) ۔ تاریخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

(۳۰)۔ شہادتِ حسین ابوالکلام آزاد

(۳۱) ۔ اخبارالطوال دینوری

سیّدنا حسینؓ کی پیش کردہ تیسری شرط "حتی اضع یدی فی ید یزید" تو بہت دُور کی بات ہے ع

گوش نزدیک بہم آر کہ آوازے ہست

جناب حسین عارف صاحب کے تمام اَئمّہ کرام معہ سیّدنا حسینؓ کے اپنے وقت کے کسی نہ کسی امام وقت جنہیں اسلامی تاریخوں میں "امیرالمؤمنین" کے ناموں سے پکارا جاتا ہے کی بیعت کرتے رہے۔ ان سے سلسلہ مصاہرت قائم کرتے رہے ان سے وظائف اور عطیات حاصل کرتے رہے اور اپنی زندگی کے ہر دُور میں ان کی خوشنودی کے حصول کو مقدم رکھ کر اپنی زندگیاں گزارتے رہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ امام اوّل نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی اور خلیفہ دوم کے نکاح میں اپنی بیٹی دی اور اپنی جوانی کے پُورے چوبیس سال خلفائے ثلاثہ کی فرمانبرداری میں بسر کیے۔ آپ کی شہادت کے بعد دُوسرے امام سیّدنا حسنؓ نے باقاعدہ امیرالمؤمنین امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تاحیات ان کے حق میں دُعائیں کرتے رہے۔ اب سیّدنا حسینؓ تیسرے امام قرار پائے ان کی بیعت کے متعلق نیز دیگر آئمّہ کی بیعت کے متعلق درج ذیل تصریحات پر غور کیجیے!

(۱) ۔ رجال کشی کے صفحہ ۲۷ پر مرقوم ہے:

فقال معاویہ یا حسن قم فبایع فقام فبائع ثم قال للحسین علیہ السّلام قم فبائع فقام فبائع۔

معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو کہا اُٹھ کھڑا ہو اور میری بیعت کر۔ حسنؓ نے بیعت کر لی۔ پھر حسین علیہ السّلام کو کہا اُٹھ اور میری بیعت کر لیں (حسینؓ) کھڑے ہوئے اور بیعت کر لی۔

اس روائت میں سیّدنا حسنؓ کے نام کے ساتھ کوئی لاحقہ نہیں مگر حسینؓ کے نام کے ساتھ علیہ السّلام کا لاحقہ ہے[۱] اس کی عقدہ کشائی کوئی شیعہ مجتہد ہی کر سکتا ہے۔

۲ ۔ پہلی دفعہ جب سیّدنا حسینؓ کو شیعوں نے گھیرنے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا۔

فقال الحسین انا قد بایعناہ عاھدنا ولاسبیل الی نقض بیعتنا۔

(اخبارالطوال الدینوری صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

پس حسینؓ نے کہا ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ بیعت امیر معاویہؓ سے کی گئی تھی نہ کہ یزیدؒ کی اعتراض معقول ہے اور وزن دار بھی مگر امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہر حکم کو تسلیم کیا جائے گا۔ اور پھر جب امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت لی گئی اس وقت چھپن لاکھ مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں کسی ایک نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

[۱] مناقب شہر ابن آشوب جلد ۴ صفحہ ۳۳ میں ہے

حضرت حسنؓ نے جب امیر معاویہؓ سے صلح کا ارادہ کیا تو یہ خطبہ دیا:۔

میری مخالفت نہ کرو۔ میری رائے کو رد نہ کرو۔ اللہ مجھے اور تمہیں مغفرت کرے اور مجھے اور تمہیں ہدایت پر رکھے۔ چونکہ اس صلح میں محبّت ہے اور خدا کی رضا ہے۔ شیعوں نے کہا واللہ یرید ان یصلح معاویہ ویسلم الامر الیہ کفر اللہ الرجل کما کفر ابوہ۔ قسم بخدا یہ شخص (حسنؓ) معاویہ سے صلح کرنا چاہتا ہے۔ اور حکومت اسکے والے کرنا چاہتا ہے یہ کافر ہو گیا جیسے اس کا باپ (علیؓ) کافر ہو گیا تھا۔ پھر حسنؓ کے خیمے پر ہلّہ بول دیا اور ان سے مصلّے کھینچ لیا۔ اوپر کی چادر چھین لی۔ اور امام کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا۔ شاید یہ سب کچھ تقیّہ کے طور پر کیا ہو یا شیعیت کا امامت کیساتھ جو تعلق ہے اس کا کوئی راز ہو۔ کیا جناب حسین عارف صاحب اس راز کی عقدہ کشائی کر سکتے ہیں

۴ ۔ "الامامت والسیاست" میں سیّدنا حسینؓ کا اعتراف بیعت کوفی سبائی لیڈر سلیمان بن صرد کے خط کے جواب میں ان الفاظ میں مرقوم ہے:

لکن کل رجل جلسا من احلاس بیتہ ما دام معاویہ حیا فانہا بیعۃ کنت واللہ لہا کارہا فان ہلک معاویہ نظرنا ونظرتم ورأینا ورأیتم
(صفحہ ۱۷۳)

لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اُس وقت تک بیٹھا رہے جب تک معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی ہے پس اگر معاویہؓ وفات پا گئے تو ہم بھی غور کرینگے اور تم بھی غور کرنا۔ ہم بھی رائے قائم کریں گے تم بھی رائے قائم کرنا۔

اس روایت سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں:

(i)۔ حضرت حسینؓ نے معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

(ii)۔ انہوں نے بیعت میں امیر معاویہؓ کو دھوکا دیا۔

(iii)۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔

(iv)۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کرتے وقت ہی اپنے دل میں یہ منصوبہ بنا لیا تھا کہ معاویہؓ کی وفات کے بعد حصول حکومت کیلئے کوشش کروں گا۔

(v)۔ کوفی پہلے ہی فتنہ انگیزی کا ارادہ کئے ہُوئے تھے۔

(vi)۔ سیّدنا حسینؓ دو رُخے کردار کے حامل تھے۔

مگر اس کراہت کے باوجود بقول علامہ ابن کثیر:۔

"جب خلافتِ معاویہؓ قائم ہو گئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزّت کرتے تھے اور مرحبا کہتے تھے اور عطیات دیتے تھے۔ ایک ہی دن میں انہیں بیس لاکھ درہم عطا کئے۔"
(البدایہ والنہایہ ۸ : ۱۵)

امیر معاویہؓ اور سیّدنا حسینؓ کے کردار کے تقابل کا موازنہ کیجئے اور خود ہی نتیجہ اخذ کر لیجئے۔

(vii)۔ سیّدنا حسینؓ کا خروج اعلائے کلمۃ الحق کے لیئے نہیں تھا بلکہ حصولِ حکومت کے لیئے تھا۔

حسین عارف صاحب نے عقبہ بن سمعان کی مَن گھڑت روایت تو نقل کر دی مگر سیّدنا حسنؓ کا وُہ فیصلہ کُن ارشاد نہ سُنا جو انہوں نے امیر المؤمنین امیر معاویہؓ کی بیعت کرنے پر اعتراض کرنیوالے شیعوں کو فرمایا تھا۔

(۱) لما صالح الحسن بن ابی طالب معاویہ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضہم علی بیعتہ فقال علیہ السلام اما علمتم انہ ما منا احد الا ویقع فی عنقہ بیعۃ لطاغیۃ زمانہ الا القائم الذی یصلی خلفہ روح اللہ عیسیٰ بن مریم۔
(احتجاج طبرسی الجزء الثانی صفحہ ۱۰ سطر ۲ طبع بیروت جدید)

جب سیّدنا حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کی تو بعض شیعوں نے اس صلح اور بیعت پر ملامت کی تو سیّدنا حسنؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ایسا فرد نہیں جسکی گردن میں کسی گمراہ خلیفہ کی بیعت واقع نہ ہو مگر مہدی کہ جن کے پیچھے عیسیٰ رُوح اللہ نماز پڑھیں گے۔

(۲)۔ ملّا باقر مجلسی روایت مذکورہ کے الفاظ کا فارسی میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں:

ہیچ یک از ما نیست مگر آنکہ در گردن او بیعتے از خلیفہ جوری کہ در زمان اوست واقع میشود۔ (جلاء العیون ۱ : ۴۰۳ ص ۱۳۴۸ھ)

ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ اس کی گردن میں ظالم خلیفہ وقت کی بیعت واقع نہ ہو۔

(۳) ہیچ یک از ما خاندان نیست مگر آں کہ در گردن او بیعتے از خلیفہ جوری کہ در زمان اوست واقع مے شود
(بحار الانوار ۱۰ : ۵) مجلسی

ہمارے خاندان سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکی گردن میں ظالم خلیفۂ وقت کی بیعت واقع نہ ہو۔
واقع نہ ہو

(۴) مشہور شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی لکھتے ہیں:۔

ہیچ یک از اہلبیت ما نیست الّا آنکہ طوق بیعت

ہم اہل بیت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے

یک تن از طاغیان امّت گردن را فرسائش دہد مگر قائم۔ (ناسخ التواریخ ۵ ؛ ۲۴۶ طبع جدید ۱۳۹۶ھ)

کہ طوق بیعت خلیفہ ظالم کا اس کی گردن میں واقع نہ ہو سوائے قائم کے۔

(۵) یہی الفاظ ملّا عباس قمیؔ نے اپنی تالیف منتہی الآمال فی التاریخ النبی والآل جلد ا صفحہ ۲۳۱ طبع ۱۳۷۹ھ میں نقل کیے ہیں۔

اب اس بات پر غور کیجیے کہ سوائے امام قائم مہدی آخر الزمان کے یازدہ ائمہ سب کے سب کسی نہ کسی خلیفہ جور کی بیعت میں رہے۔ اس صورت میں جب کہ سیدنا حسینؓ کی امیر المومنین امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر ہم گذشتہ صفحات میں بیعت ثابت کر چکے ہیں تو وُہ بیعت بالواسطہ امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کے مترادف تھی۔ امیر المومنین امیر معاویہؓ کی وفات ۲۲ رجب ۶۰ ہجری سے ۱۰ محرم ۶۱ ہجری تک پُورے پانچ ماہ سترہ دن سیدنا حسینؓ امیر یزیدؒ کی بیعت میں رہے۔ اگر پانچ ماہ میں سے تین ماہ ۲۹ دن کے شمار کیے جائیں تو ۵ ماہ ۱۴ دن آپؓ امیر یزیدؒ کی بیعت میں رہے نیز امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے بیعت خلافت تک ۱۰ سال کا عرصہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ سیدنا حسینؓ ساڑھے دس سال یزید کی بیعت میں رہے۔ اسے ولیعہد بھی تسلیم کرتے رہے اور خلافت یزید میں آپؓ نے نقضِ بیعت کا اعلان اپنی زندگی میں کسی مقام پر نہیں فرمایا اضع یدی فی ید یزید تجدید بیعت تھی نہ کہ بیعت اوّل۔

اب جناب حسین عارف صاحب ایک طرف اور احتجاج طبرسی، جلاء العیون، بحار الانوار، ناسخ التواریخ اور منتہی الآمال کے لحیم وشحیم مؤلفین ایک طرف۔ کہیے ہم "سیدنا حسینؓ کی تیسری شرط" کے مؤلف کا کہا مانیں یا ان شیعہ مجتہدین کا۔ جو امام دوم کے ارشاد کے مطابق ہر امام کی گردن کو ظلم اور جور کے خلفاء کے پھندوں میں جکڑتے جا رہے ہیں۔ یا للعجب۔

سیدنا علی کو چند سال حکومت کرنے کا موقع ملا تو آنجنابؓ کی آپ کے اسلاف نے اپنی جن خدمات سے تواضع کی ان سے نہج البلاغہ کے صفحات بھرے پڑے ہیں آنجنابؓ نے مختلف اوقات میں اپنے شیعوں کی جن الفاظ میں تعریف فرمائی آپ بھی سُن لیجیے۔

"تم نے میرے سینہ کو خُون اور پیپ سے بھر دیا"

"اے مرداں بصورت زناں"

"تم میں سے معاویہؓ مجھ سے دس لے لے اور اپنا ایک آدمی دے دے"

آپ اپنے اسلاف کے حاصل کردہ ایسے سرٹیفکیٹ محفوظ رکھیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ مَیں کہتا ہوں اور آپ کی امہات الکتب کی روشنی میں کہتا ہوں کہ آپ کے تمام مفترض الطاعۃ آئمہ اپنے اپنے وقت کے خلفاء کی بیعت میں رہے صرف سیدنا حسینؓ کی زندگی کے چند ماہ مستثنیٰ ہیں اور جب آپ کو احساس ہوا .... تو جنابؓ نے اپنے مُوقف سے رجوع فرما کر امیر یزیدؒ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جن لوگوں کو آپ کے اِس ارادہ سے اپنی ہلاکت نظر آئی تو انہوں نے وہ خونی ڈرامہ کھیلا جو قیامت تک اپنی مثال آپ رہے گا۔

آگے چلیے اور اپنے جو مفترض الطاعۃ امام کا قول سُنیے جو انہوں نے خلیفۂ وقت کو مخاطب کر کے فرمایا:

فقال لهٗ علی ابن الحسین علیهما السلام قد اقررتُ لك بما سألت انا عبدٌ مُكرهٌ لك فان شئت فامسِكْ وَاِن شِئتَ فبع۔

پس امام زین العابدین نے یزید سے کہا کہ تو جو چاہتا ہے میں تیرے لئے اس کا اقرار کرتا ہُوں میں تو تیرا مجبور غلام ہوں۔ اگر تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور اگر چاہے تو بیچ دے۔

(فروع کافی۔ جلد ۳۔ کتاب الروضہ صفحہ ۱۱۰۔ جلاء العیون ملّا باقر مجلسی مترجم صفحہ ۳۱۶ جلد دوم مطبوعہ لاہور)

گویا امام زین العابدینؒ نے یزیدؒ کی بیعت کی۔ جلاء العیون کی اس روائت کو بیان کر کے جناب کوثر زیدی بھرپلوی (شیعہ) صاحب تو بے ہوش ہوئے جا رہے ہیں۔ فوراً بلا دلیل کہہ دیتے ہیں۔ یہ روائت غلط ہے۔ انہیں شاید علم نہیں کہ آپ کے رئیس المحدثین۔ باقر مجلسی صاحب اس روائت کو صحیح مان رہے ہیں۔ آپ کس باغ کی مولی ہیں جو اسے غلط قرار دیں اور وہ بھی بلا دلیل۔

کیا ہم حسین عارف صاحب سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ چوتھے امام نے

وہ حرکت کی جس کی توقع ایک عامی سے بھی نہیں کی جا سکتی ؛ کیا جن عباسیوں اموریوں علویوں اور دوسری جلیل القدر ہستیوں خصوصاً حضرت محمدؒ بن علی المعروف بہ ابن الحنیفہ جیسے لوگوں نے امیر یزید کی بیعت کی تھی۔ آپ ان کو ایک عامی سمجھتے ہیں؟ کیا سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ایک عامی تھے جن کے بارے میں "الامامت والسیاست" کا کٹر رافضی مؤلف بھی لکھتا ہے کہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔

"بلاشبہ حضرت امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں سے ہیں۔ اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت میں داخل ہونا ..... پھر آپ تشریف لے گئے اور بیعت فرمائی۔"

(الامامۃ والسیاسۃ ص۲۰۲ جلد ۱، انساب الاشراف بلاذری ج۴ ص۴)

سیدنا زین العابدینؒ امیر یزیدؒ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنے رحم و کرم سے نوازے اور انہیں جزائے خیر دے۔"

(الامامۃ والسیاسۃ ص۲۱۸ ج۱، طبقات ابن سعد اردو ص۲۲۰ ج۵، بلاذری ج۴ ص۳۹)

اب یہ معمہ تو شاید کوئی روح اللہ یا آیت اللہ ہی حل فرما سکیں کہ جس یزید کی فسق و فجور میں اتنی شہرت ہے کہ اظہار کی بھی ضرورت نہیں وہ یکایک کیسے امام معصوم کی دعائے خیر کا مصداق بن گیا۔ شاید یہ منصوص امامت کا سربستہ راز ہو بہرحال جناب حسین عارف صاحب کے چوتھے امام مفترض الطاعۃ نے کہاں چوراہے میں اس امامت کی ہنڈیا پھوڑی۔

ایک طرف سیدنا زین العابدینؒ یزید کی غلامی کا اقرار کر رہے ہیں دوسری طرف انہیں وصل اللہ امیر المؤمنین کہہ کر پکار رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان چوتھے امام مفترض الطاعۃ کے امیر یزیدؒ بہنوئی ہیں یعنی ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر کے شوہر۔ انہی چوتھے امام مفترض الطاعۃ نے زینب بنت فاطمہ بنت الحسین کا نکاح ولید بن عبدالمالک سے کر دیا اور انہی سیدنا زین العابدینؒ نے اپنی بہن فاطمہ کا نکاح انکے شوہر حسن مثنیٰ کی وفات کے بعد اموی خاندان میں کر دیا۔ سیدنا زین العابدینؒ نے دوسری بہن سکینہ کا نکاح

پیکے بعد دیگرے دو اموی شہزادوں سے کیا (نسب قریش ۵۹ جمہرۃ الانساب ابن حزم) قابل غور امر یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد سربراہ خاندان سیدنا علی زین العابدینؒ کا کردار کیا رہا؟ اور آج "مدعی سست گواہ چست" کیا کہہ رہے ہیں۔

امیر یزیدؒ کا کردار

جناب حسین عارف نے اپنے زعم میں سیدنا حسینؓ کی تیسری شرط کی تردید کرنے کے لئے قرطاس و قلم اپنے ہاتھ میں لیا تھا لیکن زیادہ زور امیر یزیدؒ کی مذمت میں گھڑی ہوئی سبائی ٹکسال کی روایات درج کرنے میں لگا دیا۔ انہوں نے امیر یزیدؒ کی تنقیص میں وضعی روایات لکھ کر کئی کاغذ سیاہ کر ڈالے ہیں۔ ان کا ہمیں افسوس تو ضرور ہے تاہم ان کی خدمت میں ایسے مواد کی حقیقت واضح کرنے کے لئے تین حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں نورِ ہدایت سے سرفراز فرمائے:

اولاً: علامہ علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

ومن ذلك الاحاديث فی ذم معاويه .... ومروان بن الحكم

(موضوعات کبیر ص۱۰۶)

"اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص اور دیگر بنو امیہ خصوصاً امیر یزیدؒ اور حضرت ولید اور حضرت مروانؓ بن الحکم کی برائی اور خلیفہ منصور اور خلیفہ سفاح کی تعریف و مدح کی روایات جھوٹی ہیں۔"

ثانیاً، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد اورد ابن عساکر .... شیئ منها

مؤرخ ابن عساکر نے امیر یزید بن معاویہ کی مذمت میں جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام من گھڑت ہیں۔ ان میں کوئی ایک بھی صحیح نہیں (البدایہ والنہایہ ص۲۳۱ جلد ۸)

ثالثاً ؛ حجۃ الاسلام امام غزالی کے شاگرد "قاضی ابو بکر ابن العربی" لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر المومنین یزیدؒ کا تذکرہ "کتاب الزہد" میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے کیا جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ امیر یزیدؒ ان تمام الزامات سے پاک ایک متقی آدمی تھے۔

"وھذا یدل علی عظیم منزلتہٗ عندہ حتّیٰ یدخلہ فی جملۃ الزھاد

.... فاین ھذا من ذکرا لمؤرخین لہ فی الخمر

وانواع الفجور الا یستحیون۔" ؟

"یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک امیر یزیدؒ کو وہ بلند مرتبہ حاصل ہے کہ ان کو زہاد صحابہ و تابعین کی اس جماعت میں شمار کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ و نصیحت سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور ہاں انہوں نے تابعین کے ذکر سے پہلے صحابہ کرام کے زمرہ کے بعد ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔ پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب نوشی اور طرح طرح کے فسق و فجور کے الزامات جن کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو شرم نہیں آتی ؟"

راقم نے اپنے کتابچہ میں سوال اٹھایا تھا کہ ہمیں تاریخ کے کونے کھدرے سے یہ بات نہیں ملتی کہ آپ (سیّدنا حسینؓ) نے اپنے بزرگوں یا عزیزوں میں سے کسی کے سامنے اس بات کا اظہار کیا ہو کہ یزید فاسق و فاجر ہے۔ میں اس کے خلاف جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

اس کے جواب میں جناب حسین عارف صاحب نے بہت چھان پھٹک کی کہ کہیں سے سیّدنا حسینؓ کی زبانی یہ الفاظ مل جائیں کہ یزید فاسق و فاجر ہے جب ناکام ہوئے تو یوں لکھیا نوچا کہ "جس کے فسق و فجور کی اس قدر شہرت ہو اس کیلئے اظہار کی کیا ضرورت ہے"۔ ماشاءاللہ۔

ہم کہتے ہیں ہمارا سوال اب بھی تمام شیعی دُنیا اور ان کے سُنّی نما شیعہ بزعم خویش قاضیوں، امیروں اور شیخ الحدیثوں کے سر قرض ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین!

جو یزید کو فاسق کہتے ہیں ان لوگوں کے لیئے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ ان کے مُنہ پر حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب کے صاحبِ علم، لختِ جگر سیّدنا محمد بن علی (ابن الحنیفہ) کے یہ الفاظ زنّاٹے دار تھپّڑ کی حیثیت رکھتے ہیں جو آپ نے اپنے تجربات کے بعد بیان فرمائے۔ وُہ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"مَیں نے ان (یزیدؒ) میں وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم بیان کرتے ہو۔ میں تو خود ان کے پاس گیا۔ ان کے پاس رہا ہوں۔ میں نے تو ان کو ہمیشہ پابندِ صلوٰۃ مسائلِ خیر کا متلاشی اور سنّتِ رسول پر مضبوطی سے کاربند پایا ہے"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۳۳)

سچ ہے شنیدہ کَے بود مانند دیدہ۔

لگے ہاتھوں جناب حسین عارف صاحب اپنے مفترض الطاعۃ اور امام معصوم سیّدنا زین العابدینؒ کی سیّدنا یزیدؒ کے حق میں دُعائے خیر بھی سُن لیں جس میں امیر یزیدؒ کو "امیرالمؤمنین"۔

کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

وصل اللہ امیرالمومنین واحسن جزاءہٗ (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۱۸ ج ۱۔

طبقات ابن سعد اردو ص ۲۲۰ ج ۵ - بلاذری ص ۳۹ ج ۴)

بہرحال یہ امر واضح ہے کہ امیر یزیدؒ ایک بے داغ کردار کے مالک متقی آدمی تھے اور محولہ بالا شواہد و نظائر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ شیعوں کے تمام ائمۂ کرام کسی نہ کسی خلیفۂ وقت کی بیعت میں تھے اور سیّدنا حسینؓ بدرجۂ اولیٰ اس "جرمِ عظیم" کا ارتکاب فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مستشرق ڈوزی اپنی تالیف "اسپینش اسلام" کے صفحہ ۴۷ پر لکھتا ہے:۔

"He (HUSSAIN) had taken oath, of fealty to YAZID in Muawya's life time and could not make good for title the Caliphate."

Spanish islam P. 47

"حضرت حسینؓ "سیدنا امیر معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کر چکے تھے اور اپنے حق دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔"

اس مقام پر اس حقیقت کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ کسی حکمران کی بیعت کے وقت یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ فرداً فرداً ہر آدمی سے بیعت لی جائے اور پورے ملک کے سو فیصد لوگ جب تک بیعت نہ کریں۔ خلیفہ کا انتخاب درست قرار نہیں پاتا اور یہ امر ویسے بھی ناممکن ہے کہ کسی ملک میں پھیلے ہوئے لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں کو ایک ایک کر کے طلب کیا جائے اور ان سے فرداً فرداً بیعت لی جائے۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ نئے خلیفہ کے انتخاب کے وقت صوبہ جات کے عمال مجمع عام میں بیعت کا اعلان کر دیتے تھے اور مجمع میں سے اکثریت کا تسلیم کر لینا گویا نئی خلافت کو تسلیم کر لینا سمجھ لیا جاتا تھا۔ یہ بیعت سیدنا علیؓ جیسی تصوراتی یا تخیلاتی بیعت نہیں ہوتی تھی ؎۱

؎۱ بقول سبائیت خم غدیر کے موقع پر سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس بیعت کا نقشہ ملّا علی الحائری مجتہد نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی تشریح کے ذیل میں بدیں الفاظ قلمبند کیا ہے:

"حضرت علیؓ کو ایک خیمہ میں بٹھا دیا گیا۔ ایک ایک صحابی اندر جاتا اور بیعت کرتا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ نے بیعت کی۔" (موعظہ غدیریہ)

اس بات کو نظر انداز کر دیجئے کہ حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت سیدنا علیؓ نے کیوں کسی ایک صحابی کو یاد نہیں دلایا کہ تم تو غدیر کے موقع پر میری بیعت کر چکے ہو لہٰذا خلافت میرا حق ہے ادھر سیدنا علیؓ خیمہ میں بیٹھے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ سے بیعت لے رہے تھے اور ادھر ملّا باقر مجلسی کہتے ہیں۔

حملها علی اتان علیه کساء فدار بها اربعین صباحا فی بیوت المهاجرین والانصار والحسن والحسین معها (بحار الانوار کتاب الفتن صفحہ ۱۰۱ - بحوالہ کتاب الاختصاص)۔

"حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا جس پر ذرا سا کپڑا تھا اور چالیس روز تک مہاجرین اور انصار کے دروازوں پہ (حصول فدک کیلئے) پھرایا اور حسنین ساتھ تھے ؎۲ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

یہ فقرات برسبیل تذکرہ ضمناً آگئے ورنہ ذکر ہو رہا تھا سیدنا علیؓ کی بیعت کا۔

(۱) تصور کیجئے کہ ایک خیمہ میں ایک آدمی بیٹھا ہے۔ باہر خلقت کا ہجوم ہے۔ اس ہجوم میں سے ایک ایک آدمی

خیمہ کے اندر باری باری جاتا ہے۔ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور لازماً اس بیعت میں کم از کم تین منٹ تو صرف ہوتے ہوں گے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کے لیئے ۶۲۰۰ گھنٹے یعنی ۸ مہینے ۱۸ دن اور ۸ گھنٹے درکار ہوں گے۔ بشرطیکہ منتخب خلیفہ کچھ کھائے پیئے سوئے بغیر دن رات بیعت لیتا رہے ورنہ اس مدت کو دُگنا کر لیجئے۔ بیعت کرنیوالوں کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی اندر گیا۔ بیعت کی اور باہر نکل کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو گیا لیکن جس کے ہاتھ پر بیعت کی جا رہی ہے۔ وہ غریب تو اس طویل نشست میں بے موت مر گیا۔ کاش کہ لکھنے کے بعد مجتہد لاہوری یہ بھی لکھ دیتے کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے۔

(۲)۔ اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ حضور اکرمؐ واقعہ غدیر کے بعد صرف ۸۰ دن یعنی دو مہینے زندہ رہے اور یہ دو مہینے ۲۰ دن اور ۸ مہینے ۱۸ دن اور ۸ گھنٹے کے چکر کا عقدہ کوئی رازدانِ امامت ہی حل کر سکتا ہے۔

(۳)۔ حضور اکرمؐ کا وصال بھی ہو گیا۔ تجہیز و تکفین بھی ہو گئی مگر حضرت علیؓ ۱۷۸ دن بعد تک بیعت لیتے رہے۔

(۴)۔ دیکھئے حضرات! ادھر ثقیفہ بنو ساعدہ میں ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے اور ادھر حضرت علیؓ غدیر کے مقام پر دو اڑھائی ماہ سے دھڑا دھڑ بیعت لے رہے ہیں۔ کتنا دلچسپ منظر ہے۔

(۵)۔ حضرت علیؓ غدیر کے مقام سے فارغ ہو کر جب مدینہ پہنچتے ہیں تو خلافت صدیقی کو چھ ماہ گزر چکے ہوتے ہیں شاید اسی لیئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ نے چھ ماہ تک ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ دیکھئے ملّا علی الحائری نے یہ عقدہ بھی حل کر دیا۔

(۶)۔ مگر اس چکر کا کیا حل کہ حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت علیؓ اگر مدینہ میں موجود ہی نہیں تھے تو بخاری شریف کی روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ کے مکان میں کون سے زبیرؓ اور کون سے علیؓ حصولِ خلافت کے بحث و تمحیص میں مشغول تھے

(۷)۔ اس پر گذشتہ سطور میں باقر مجلسی کی سیدہ فاطمہؓ کی گھر گھر تشریف لے جانے کی کہانی کو ملا کر دیکھئے تو کتنا دلچسپ معمہ حل ہوتا نظر آتا ہے۔

سیّدنا حسینؓ اور امیر عمرؓو بن سعدؓ

یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو چکا کہ سیدنا حسینؓ سیدنا امیر معاویہؓ کی بیعت کر چکے تھے اور بالواسطہ امیر یزیدؒ کی دس سالہ ولی عہدی کی بیعت پر بھی قائم تھے۔ جب امیر یزیدؒ نے عنانِ حکومت سنبھالی تو سیدنا حسینؓ نے پہلے مکہّ اور پھر کوفہ کا رُخ کیا۔ ابھی کوفہ سے تین منزل دُور تھے کہ آپ نے اپنے مُوقف سے رجوع فرما کر کربلا کا رُخ کیا۔ کربلا کے مقام پر سرکاری فوج کے کمانڈر امیر عمرو بن سعدؓ سے اس موضوع پر گفتگو ہُوئی۔ امیر عمرو بن سعد رشتے میں آپ کے ماموں تھے اور جلیل القدر صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے صاحبزادے تھے۔ سیدنا حسینؓ اور امیر عمرو بن سعد کے مابین کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں ماموں نے بھانجے کو سمجھایا ہو گا اور بھانجے نے وہ حالات بیان کیئے ہوں گے۔ جن کے تحت انہوں نے یہ اقدام کیا تھا۔ ہمیں ان ملاقاتوں کے دوران جو گفتگو ہوئی اس کا علم نہیں البتہ اس کے نتیجے میں جو کچھ سامنے آیا وہ ان تین شرائط پر مبنی تھا۔ جس کا متن درج ذیل ہے؛

راویانِ مقتلِ حسینؓ کا بیان ہے؛

اماماً حدثنا بہ المجالد بن سعید و الصقعب ابن زھیر الازدی وغیرھما من المحدثین قالوا انہ قال اختاروا منی خصالا ثلاثا۔

۱۔ اما ان ارجع الی المکان الذی اقبلت منہ

۲۔ واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فیری فیما بینی وبینہ رایہ

۳۔ واما ان تسیرونی الی ثغر من ثغور المسلمین شئتم فاکون رجل من اھلہ لی ما لھم وعلیّ ما علیھم

(تاریخ الامم والملوک جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ سطر ۹ طبع جدید ۱۳۵۸ھ)

مجالد بن سعید اور صقعب بن زہیر الازدی وغیرہ محدثین نے ہم سے بیان کیا کہ جس بات پر محدثین کی جماعت قائم ہے وہ یہ ہے کہ واقعی حضرت حسینؓ نے افسرانِ حکومت سے فرمایا تھا کہ میری تین باتوں میں ایک مان لو یا مجھے واپس جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں یا مجھے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں پھر میرے متعلق وہ فیصلہ خود ہی کریگا یا پھر اگر تم چاہو تو مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی ایک سرحد کی طرف جانے دو تاکہ میں وہاں کا باشندہ بن جاؤں۔ پھر اگر وہاں کے لوگوں کو فائدہ پہنچا تو مجھے بھی پہنچیگا اور اگر انہیں تکلیف پہنچی تو مجھے بھی پہنچے گی۔

ایک صاحب فراست انسان امیر عمرؓو بن سعد اور سیدنا حسینؓ کے درمیان اس مصالحت نامہ کے متن کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ طبری نے یہاں بھی حسب عادت گھپلا بازی سے کام لیا ہے۔ اگر سیدنا حسینؓ نے اپنے مُوقف سے رجوع کر لیا تھا تو پھر "اضع یدی فی ید یزید" کے علاوہ دوسری دو شرائط محض مہمل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ سیدنا حسینؓ نے صرف یہ کلمات کہے تھے کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔

درج ذیل تصریحات سے شرط مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

جب امیر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کے سامنے امیر عمرو بن سعدؓ نے سیدنا حسینؓ کا مصالحت نامہ پیش کیا تو اس وقت امیر کوفہ کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے چنانچہ امیر کوفہ نے کہا؛

ولا کرامۃ حتی یضع یدہٗ فی یدی

(تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۹۳ طبع ۱۳۵۸ھ)

حضرت حسینؓ کے لیئے اس وقت تک کوئی عزّت نہیں جبتک وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ رکھ دیں۔

ان کلمات سے یہ نتائج مستنبط ہوتے ہیں؛

۱۔ سیدنا حسینؓ کی صرف ایک شرط امیر کوفہ کے سامنے پیش کی گئی کہ حضرت حسینؓ امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ امیر کوفہ کا یہ کہنا کہ وہ جب تک میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔ ان کیلئے کوئی کرامت نہیں۔ اس وقت کے حالات کے صحیح تصور کیلئے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں۔

(۱) مشہور شیعہ عالم شیخ مفید لکھتے ہیں:۔

فلما رای الحسین علیہ السلام نزول العساکر مع عمرو بن سعد ..... بنینوی ..... انفذ الی عمرو بن سعد انی ارید ان القاک و اجتمع معک فاجتمعا لیلا فتناجیا طویلا۔	جب حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ عمرو بن سعد کے ساتھ نینوی میں فوجیں اتر رہی ہیں تو عمرو بن سعد کو بلا بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہوں پھر وہ آئے اور دونوں رات کو کافی دیر تک ملاقات کرتے رہے۔

(کتاب الارشاد مع شرح فارسی صفحہ ۴۳۷ طبع ۱۳۵۱ھ)

اس روایت سے چند مفید نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

(۱)۔ سیدنا حسینؓ نے سرکاری فوجیں دیکھیں تو صلح کیلئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔

(۲)۔ سرکاری فوجوں کے کمانڈر کو کتنی خاطر ملحوظ تھی کہ ان کے بلانے پر ان کے پاس پہنچ گیا اور اس نے یہ خیال بھی نہ کیا کہ کمانڈر ہونے کے علاوہ میں رشتہ میں بلا نیزاسے کا ماموں بھی ہوں۔

(۳)۔ اگر سرکاری فوجوں کا کمانڈر آپ کو شہید کرنا چاہتا تو اسے آپ کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اول تو ملاقات سے انکار کر سکتا تھا اور اگر اسے ملاقات مطلوب بھی ہوتی تو سیدنا حسینؓ کو اپنے پاس بلا بھیجتا۔

۲۔ مشہور شیعہ عالم طبرسی بھی اسی قسم کے الفاظ لکھتا ہے:

فاجتمعا فتناجیا طویلا (اعلام الوری صفحہ ۲۳۳ طبع ۱۳۳۸ھ)	حضرت حسینؓ اور عمرو بن سعدؓ دیر تک گفتگو کرتے رہے

۳۔ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں:

موقع کہ ملاقات کردند مدت طولانی بایکدگر آہستہ سخن گفتند (بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۴۴۶ طبع ۱۳۵۵ھ)	حضرت حسینؓ اور عمرو بن سعد نے رات کو کافی دیر تک ملاقات کی اور ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔

۴۔ آگے پڑھیئے اور غور کیجیئے۔ یہ ملاقات صرف ایک بار نہیں ہوئی بلکہ متعدد بار ہوئی۔

ملا محسن امین آملی لکھتے ہیں:

فاجتمعا لیلا ..... وتناجیا طویلا التقی الحسین علیہ السلام و عمر بن سعد مرارا ثلاثا اربعا۔	رات کو دونوں نے دیر تک ملاقات کی حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد نے تین چار بار ملاقات کی۔

(لواعج الاشجان صفحہ ۱۰۱ طبع ۱۳۸۳ھ ایران)

اس قسم کی روایات متعدد شیعہ کتب میں موجود ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں:

۵۔ شرح ارشاد فارسی محمد باقر الساعدی۔ صفحہ ۴۳۷ طبع ۱۳۵۱ء

۶۔ معالی السبطین فی احوال السبطین الامامین صفحہ ۲۰۱ طبع تبریز ایران

۷۔ مقتل الحسین خوارزمی صفحہ ۲۴۵ جلد ۱۔ طبع ۱۳۶۸ھ قم۔

اب آپ غور کریں کہ اس وقت سیدنا حسینؓ کی پوزیشن یہ تھی کہ ان کے پاس کسی قسم کے کوئی وسائل یا فوج نہ تھی۔ دوسری طرف عمرو بن سعد کی کیل کانٹے سے لیس فوج ــــــ مگر امیر عمرؒ ہیں کہ بار بار سیدنا حسینؓ سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ آخر انہیں اس قدر طویل ملاقاتوں پر کس جذبے یا خیال نے مجبور کیا تھا۔ یہ باتیں ان لوگوں کی سمجھ سے ماورای ہیں جن کے نظریات میں سے کوئی بھی ایسا نظریہ نہیں جس پر کوئی دو آدمی ہی متفق ہو سکیں۔ سوائے فحش گوئی، بد کلامی اور دشنام دہی کے دماغ کے کسی دور کے کسی خانے میں بھی عقل کی ایک رمق ہی موجود ہو تو آدمی فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ ملاقاتیں دو قریبی رشتہ داروں کی تھیں۔ ان میں سے ایک صاحب طاقت تھا اور دوسرا ہر قسم کی طاقت سے تہی دست۔ تاریخیں اس قسم کے نظائر سے بھری پڑی ہیں کہ ایسے مواقع پر طاقتور نے اپنے حریف کو بچ کر نہیں جانے دیا۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ بار بار ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ فریقین مل بیٹھتے ہیں اور پھر اپنے اپنے کیمپوں میں لوٹ جاتے ہیں۔

اس کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنے کے بعد سیدنا حسینؓ حکومت وقت کی حفاظت میں آجائیں گے اور کوفیوں کے جال سے بچ جائیں گے۔ ہمارا اب

بھی یہی دعویٰ ہے کہ سیدنا حسینؓ نے اپنے مؤقف سے رجوع کرکے اس شرط کو پیش کیا تھا کہ میں
یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو تیار ہوں گا۔

عقبہ بن سمعان کی روائت پر ایک نظر

حسین عارف صاحب تیسری شرط کی تردید کے لیے بڑی دُور کی کوڑی لے آئے
اور ایک فضول سی روائت کا سہارا لے کر حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی
تالیف کے صفحہ ۱۳ پر نقل کرتے ہیں:۔

قال ابو مخنف فاما عبد الرحمٰن بن جندب فحدثني عن عقبة بن سمعان قال صحبت حسيناً فخرجت معه من المدينة الى المكة ومن مكة الى العراق ولم افارقه حتى قتل وليس من مخاطبة الناس كلمة بالمدينة ولا بمكة ولا في الطريق ولا بالعراق ولا في عسكر الى يوم مقتله الا قد سمعته فوالله ما اعطاهم ما يذكر الناس ولا يزعمون من انه يضع يده في يد يزيد بن معاويه ولا ان يسيروا الى ثغر من ثغور المسلمين ولكنه قال دعوني فاذهب في هذه الارض العريضة حتى ننظر ما يصير امر الناس۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن جندب نے مجھ سے بیان کیا اور اس نے عقبہ بن سمعان سے سُنا اور عقبہ بن سمعان کہتا ہے کہ میں مدینے سے مکے اور مکے سے عراق امام حسینؓ کے ہمراہ رہا۔ ان کے قتل تک ان سے الگ نہ ہوا۔ میں نے ان کی وہ تمام تقاریر سُنیں جو انہوں نے اپنے قتل کے دن تک لوگوں کے سامنے کیں۔ خدا کی قسم! انہوں نے کبھی لوگوں سے نہیں کہا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔ یا یہ کہ تم مجھے مسلمانوں کی سرحد کی طرف لے چلو بلکہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یا تو مجھے وہیں جانے دو جہاں سے میں آیا تھا یا نہیں تو مجھے اس وسیع و عریض زمین میں کہیں چلا جانے دو تاکہ ہم دیکھ لیں کہ لوگوں کے اس امر کا کیا انجام ہوتا ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔

یہ ہے وہ روایت جس کے مقابلہ میں دو درجن سے زائد مستند کتب کی مبنی بر حقائق روایات کو جھٹلایا جا رہا ہے اور پھر لطف یہ کہ سیدنا حسینؓ کے یہ کلمات کہ مجھے واپس جانے دو یا اس وسیع و عریض زمین میں کسی طرف نکل جانے دو۔ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنجنابؓ نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔ آنجنابؓ کا واپس جانے کا ارادہ یا کسی دُوسرے علاقہ میں منتقل ہونا بالواسطہ خلیفہ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔

کہاں تو وہ یزید کے فسق و فجور کی داستانیں، کہاں وہ بدکردار حکمران کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ اور کہاں وُہ نانا کے دین کو بچانے کا ادعا سب کچھ درمیان ہی میں رہ گیا۔ اور یہی بات ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے مؤقف سے رجوع کی توفیق عطا فرما کر ایک بلند مقام پر فائز المرامی بخشی۔

ایک قابل غور نکتہ: اگر اس روائت کا پہلا راوی عقبہ بن سمعان ہے تو اس سے کس نے پُوچھا تھا کہ حضرت حسینؓ کی اس کیفیت کو بیان کرے کہ آپ مدینہ سے لے کر کربلا تک کسی موقع پر اضع یدی فی ید یزید کے کلمات کہے تھے یا نہیں؟ اگر کسی نے پُوچھا نہیں تھا تو اسے بلا ضرورت صرف یہ بات بیان کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ یہ کیا بے تکی سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابی مخنف نے اس روایت کو گھڑتے وقت عقل سے کام نہیں لیا ورنہ وہ اس مفہوم کے ساتھ کوئی اور بات ملا کر بیان کرتا۔

۱۔ عبدالرحمٰن بن جندب۔ ان صاحب کا میزان الاعتدال۔ تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب میں کوئی ذکر نہیں صرف لسان المیزان میں اس کا ذکر بایں الفاظ مذکور ہے کہ وہ کمیل بن زیاد سے روائت کرتا ہے۔ عقبہ بن سمعان سے اس کی کسی روایت کا ذکر نہیں اور جس کمیل بن زیاد سے وہ روائت کرتا ہے۔ وہ ۸۲ھ میں مرا۔ کمیل بن زیاد غالی شیعہ تھا۔ (میزان الاعتدال ۳: ۴۱۵) کمیل بن زیاد رافضی تھا اور شیعوں کا سردار۔ (تہذیب التہذیب ۸: ۴۴۸)

شیعہ عالم شیخ عباس قمی بھی کمیل بن زیاد کو شیعہ کہتا ہے (الکنی والالقاب ۳: ۲۰۴)
گویا عبدالرحمٰن بن جندب کا سماع عقبہ بن سمعان سے ثابت نہیں بلکہ وُہ کمیل بن زیاد سے
روائت کرتا ہے جو غالی شیعہ تھا۔

۳۔ ابی مخنف متوفی ۱۵۷ یا ۱۷۰ ہجری: اس کا جد اعلیٰ مخنف بن سلیم علیؓ کے معتمد ساتھیوں میں سے تھا۔ آپ نے اُسے اصبہان اور اصفہان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مخنف بن سلیم کا خالہ زاد بھائی سیدنا ذوالنورینؓ کے قاتلوں میں شامل تھا۔ ابومخنف کا باپ یحییٰ بھی سیدنا علیؓ کے معتمدین میں سے تھا۔ ابومخنف کے کنبے کے اکثر لوگ جمل و صفین میں قتل ہوئے۔ میزان الاعتدال میں ذہبی اُسے ناقابل اعتماد لکھتے ہیں۔ ابوحاتم اور دیگر حضرات نے اُسے متروک قرار دیا ہے۔ دارقطنی اُسے کمزور کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین اُسے ناقابل اعتماد کہتے ہیں۔ علامہ مرّہ کہتے ہیں وُہ لاشئے تھا۔ صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال نے صفحہ ۹۲ پر اور تذکرۃ الموضوعات میں اُسے کذّاب کہا گیا ہے۔

ابی مخنف کو تاریخی حیثیت طبری کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ جس نے ابی مخنف کے مرنے کے ڈیڑھ سو سال بعد اس کے متروکات کی نوک پلک درست کر کے اپنی تاریخ کی زینت بنایا۔

یہ ہے وُہ روایت جسے دھڑلے سے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ عقبہ بن سمعان کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دس محرّم سے پہلے اس نے سیدنا حسینؓ کو کہا تھا کہ میری بیعت کل کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ جا تیری بیعت کل کی اور وہ بھاگ نکلا۔ پھر اس کا پتہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گیا اور کہاں مرا۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ سانحہ کربلا سے صرف ایک عقبہ بن سمعان ہی زندہ بچا تھا یا اس کے علاوہ کوئی اَور بھی زندہ بچا تھا۔ اگر کوئی اور بھی زندہ بچا تھا تو آیا اُن کا کوئی بیان بھی اس سلسلہ میں کسی تاریخ کی کتاب میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر ایسا بیان موجود ہے تو کس کتاب میں مرقوم ہے۔ اگر نہیں تو پھر ایک غیر معروف مجہول الحال جس کا ذکر اسماء الرجال کی کتب میں موجود ہے۔ نہ تراجم میں سے

کسی کتاب میں ہے لائق اعتماد کیسے ہو سکتا ہے۔ اور جن افراد نے اس سے روایت کی ہے ان کی تعداد کتنی ہے۔ اگر اس سے صرف عبدالرحمٰن بن جندب اور اس سے ابی مخنف روائت کرتا ہے تو یہ خبر واحد ہے۔ پھر لُطف یہ کہ ان دونوں کے متعلق اسماءُ الرجال اور تراجم کی کتب میں جس ایک آدھ کتاب میں ذکر ہے وہ ان الفاظ میں ہے کہ وُہ کٹّر شیعہ، کذّاب اور روایات گھڑنے والے تھے۔ اب بتائیے اس صُورت میں اس روائت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

کربلا کے سانحہ سے زندہ بچ نکلنے والوں کی تعداد ۹ سے زائد ہے۔ ان میں سرِفہرست سیدنا علی زین العابدینؒ بن سیدنا حسینؓ ہیں جو اس وقت ۲۳ - ۲۴ سال کی عمر کے صاحب اولاد جوان تھے۔ ان سے صرف ایک ہی فقرہ کتب میں تواتر کی حد تک نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے واقعہ حرّہ کے موقع پر امیر یزیدؒ کے ایک فوجی جرنیل مسلم بن عقبہ کے سامنے امیرالمؤمنین یزیدؒ کی شان میں فرمایا تھا۔ جب واقعۂ حرّہ کے پولیس ایکشن کے بعد مسلم بن عقبہؒ نے سیدنا علی بن حسینؓ کو بلا کر کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے آپ سے حسن سلوک کی وصیّت فرمائی ہے تو سیدنا علی بن حسینؓ نے جواباً کہا۔

۱۔ وصل اللہ امیرالمؤمنین احسن الجزاء (الامامۃ والسیاسۃ ۱: ۱۸۴ سطر ۱)

۲۔ یہی کلمات سیدنا علی (زین العابدین) کے فرزند سیدنا محمد الباقر کی زبان سے طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۵ پر مرقوم ہیں یعنی سیدنا محمد الباقر کہتے ہیں کہ میرے باپ نے اپنے مُوقف سے امیرالمؤمنین (یزیدؒ) کو مطلع کر دیا تھا کہ میرا حرّہ کی شورش سے کوئی تعلّق نہیں۔ شورش کے خاتمہ پر حضرت مسلم بن عقبہؒ نے میرے باپ (زین العابدینؒ) کو بلا کر امیرالمؤمنین کی طرف سے حسن سلوک کا پیغام دیا تو آپ (علیؓ بن حسینؓ) نے جواباً وصل اللہ امیرالمؤمنین کہتے ہوئے امیرالمؤمنین یزیدؒ کا شکریہ ادا کیا۔

۳۔ مقتل حسین صفحہ ۲۲۳ پر بھی یہ روایت موجود ہے۔

حیرانی اس بات کی ہے کہ حرّہ کی شورش امیرالمؤمنین کے خلاف ہوتی ہے سیدنا

حسینؓ کا بیٹا جو سانحہ کربلا میں موجود ہے وُہ ایسے قیمتی موقع سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے سے فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ امیر یزیدؒ کو اس شورش سے مطلع کرتا ہے اور جب امیر المؤمنینؒ کے فوجی جرنیل کے پاس پہنچتا ہے تو امیر المومنین کیلئے وصلّی اللہ کے دعائیہ کلمات استعمال کرتا ہے۔

اب ذرا سانحہ کربلا سے زندہ بچنے والے دُوسرے افراد کے متعلق سنیئے:

۲۔ سیّدنا حسنؓ کے بیٹے حسن مثنیٰ جو سیّدہ فاطمہ بنت حسینؓ کے شوہر ہیں انہیں زخمی حالت میں سرکاری فوجوں نے کوفہ پہنچایا۔ حکومت نے اپنی نگرانی میں ان کا علاج کرایا اور جب تندرست ہوئے تو مدینہ پہنچا دیئے گئے۔

۳۔ سیّدنا حسنؓ کے دُوسرے بیٹے عمرو جو رملہ بنت عقیلؒ کے شوہر ہیں واقعہ کربلا کے عینی شاہد ہیں مگر اس موضوع پر خاموش ہیں۔

۴۔ سیّدنا حسنؓ کے تیسرے بیٹے سیّدنا طلحہ بھی زندہ بچ نکلے جن کی والدہ ام اسحٰق سے ان کا شوہر فوت ہو جانے کے بعد سیّدنا حسینؓ نے نکاح کر لیا تھا۔

۵۔ سیّدنا حسنؓ کے چوتھے بیٹے زید بھی زندہ بچ نکلے اور اس موضوع پر خاموش ہیں۔

یہ چاروں باعتبار سن وسال علی الترتیب ۲۲ - ۲۵ سال یا کم وبیش عمر کے تھے اکثر شادی شدہ تھے اور مدینہ پہنچ کر بعطائے وظائف خلفائے بنو اُمیہ باعزاز و اکرام خوشحال زندگیاں گزارتے رہے۔ ان سب نے واقعہ حرّہ کی شورش میں جو سیّدنا ابن زبیر کی بپا کردہ تھی۔ امیر المؤمنین یزیدؒ کی اطاعت سے سرمُو انحراف نہ کیا۔ اگر وُہ اپنے چچا کے قتل کے ذمّہ دار یزیدؒ کو سمجھتے تو اس سنہری موقع سے ضرور فائدہ اُٹھاتے اور قصاص کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو جاتے۔

۶۔ مرقع بن ثمامہ اسدی۔ یہ بھی زندہ بچ نکلا۔

۷۔ عبیداللہ بن عباس علمدار بھی زندہ بچ جانیوالوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی بھتیجی نفیسہ بنت عبداللہ کا نکاح عبداللہ بن علاّمہ خالد بن امیر یزیدؒ سے کر دیا۔ اس

خاتون سے دو یزیدی نواسے علی و عباس پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صـ۴۲) وہ بھی اس موضوع پر خاموش ہیں۔

۸۔ ضحاک بن قیس۔ جب کوفیوں نے حملہ کیا تو بھاگ کر روپوش ہو گئے۔

۹۔ سیّدنا محمد الباقر بن سیّدنا علی زین العابدین ——— ان کی عمر چار سال تھی۔

۱۰۔ عقبہ بن سمعان ——— جناب حسین عارف صاحب کا ہیرو۔ اس کے متعلق بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ دس محرم سے پہلے ہی اپنی بیعت بحل کرا کے کہیں رُوپوش ہو گیا تھا۔

یاد رہے کہ رجال کشی صفحہ ، کی روائت کے مطابق سیّدنا حسینؓ کے حواری صرف وُہ لوگ ہیں جو اُن کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔

ثم ینادی مناد این حواری الحسین ابن ابی طالب فیقوم کل من استشھد ولم یتخلف۔ (رجال کشی صـ)

پھر منادی کرنیوالا منادی کرے گا کہ کہاں ہیں حواری سیّدنا حسینؓ ابن ابی طالب کے۔ پس ہر وُہ شخص کھڑا ہو گا جو ہمراہ حسینؓ کربلا میں شہید ہوا تھا اور پیچھے نہ رہا تھا۔

ظاہر ہے عقبہ بن سمعان شہدائے کربلا میں شامل نہیں اسلیئے اُسے آپؓ کا حواری اور ساتھی تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا مقام متعین کرنے کے لئے دُوسری روایت ملاحظہ ہو۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ارتد الناس بعد قتل الحسین صلوات اللہ علیہ الا ثلاثہ ابو خالد الکابلی و یحییٰ بن ام طویل و جبیر ابن مطعم۔ (رجال کشی صفحہ ۸۲)

امام جعفر نے فرمایا کہ بعد قتل حسین کے تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ صرف تین آدمی بچے تھے ابو خالد کابلی - یحییٰ بن ام طویل اور جبیر بن مطعم۔

عقبہ بن سمعان کا شمار ان تینوں میں بھی نہیں جو مرتد نہیں ہوئے۔ اگر عقبہ بن سمعان کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو وُہ رجال کشی کی ان روایات کے مطابق مرتد ہو گیا۔ ایک مرتد کا قول کوئی دیوانہ ہی تسلیم کر سکتا ہے۔

جلاء العیون میں بھی مرقوم ہے کہ قیامت کے دن وہی کامیاب ہوں گے جو ہمراہ امام شہید ہوئے۔ اب عقبہ بن سمعان جو واقعہ کربلا سے پہلے ہی بھاگ چکا تھا اس کی روایت کو سہارا بنا کر ٹھوس اور واضح حقائق کو جھٹلانا انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

علامہ کشی بھی کوئی بڑے ستم ظریف قسم کے جاذری شیعہ ہوئے ہیں۔ جن تین حضرات کو مرتد ہونے سے بچا لائے ہیں ان کے متعلق بھی سن لیں۔

یحییٰ بن ام طویل کو امیر حجاج نے قتل کرا دیا (رجال کشی صفحہ ۸۲)

اور ابو خالد کابلی نے عرصہ تک محمد بن حنفیہ کو اپنا امام بنائے رکھا۔ غیر امام کو امام بنانے والا شیعہ مذہب میں کافر ہے۔

چند توجہ طلب باتیں

اس مقام پر جناب حسین عارف سے چند باتیں دریافت طلب ہیں:

(۱)۔ کیا تصریحات بالا کی روشنی میں سیدنا حسینؓ شرعاً اپنے خروج میں حق بجانب تھے؟

(۲)۔ اگر آپ اپنے خروج میں حق بجانب تھے تو اس عظیم اسلامی سلطنت میں کسی فرد واحد نے ان کا ساتھ دیا؟

(۳)۔ کیا آپؓ آخر تک اپنے مؤقف پر قائم رہے؟ اگر نہیں قائم رہے تو کس شرعی حجت کی بنا پر انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع فرمایا۔

(۴)۔ اگر آپؓ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا تو امیر یزیدؒ کے عاملین نے یقیناً قتل نہیں کیا۔ تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ خود مقتول، ان کے ورثا، ان کے پسماندگان اور موقع کے عینی گواہ کن لوگوں کو آپ کا قاتل قرار دیتے ہیں؟

(۵)۔ کیا اس دور میں یا اس کے بعد ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک کسی نے امیر یزیدؒ کو

فاسق و فاجر کہا۔

(۶)۔ "شہید اعظم" اور "مصباح الظلم" کے مطالعہ کے بعد واقعات کربلا کی ذرا صحیح تصویر پیش کر کے دکھایئے۔

"مصباح الظلم" کی عبارت کسی دوسرے مقام پر پیش کی جا چکی ہے۔ یہاں صاحب "مجاہد اعظم" کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوئی کہ سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھا۔ اسلیئے یہ سب واقعات اس نے سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کا جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے اس کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ مثلاً اہلبیت پر تین شبانہ روز[1] پانی کا بند ہونا۔ مخالف فوج کا[2] لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔ شمر کا سینہ مطہر[3] پر بیٹھ کر سر جدا کرنا۔ آپؓ کی لاش مبارک سے کپڑوں[4] تک کا اتار لینا۔ آپ کی نعش مبارک کا کھر کوب[5] سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہلبیت[6] کی غارت گری۔ نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض

مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں"۔

(مجاہد اعظم صفحہ ۱۷۸)

میں نے جناب حسین عارف صاحب کی سہولت کے لیئے غلط، مشکوک، ضعیف، مبالغہ آمیز اور من گھڑت روایات پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ ذرا غور کرکے جواب دیجئے۔ اب آپ کے پاس باقی کیا رہ گیا ہے۔

سیّدنا حسینؓ کے قاتل

گزشتہ صفحات میں براہینِ قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ

(۱)۔ سیّدنا حسینؓ امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت ہی حصولِ خلافت کی خواہش کو اپنے نہاں خانۂ قلب میں دبائے امیر معاویہؓ کی موت کے منتظر تھے۔

(۲)۔ متفقہ خلیفۂ اسلام امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوتے ہی آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہّ پہنچ گئے۔

(۳)۔ گورنر حجاز نے آپؓ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ چونکہ ایک آدمی کے بیعت نہ کرنے سے کسی خلل کا اندیشہ نہ تھا۔

(۴)۔ آپؓ کے مکہّ پہنچتے ہی کوفی سبائیوں کے خطوط آنے شروع ہو گئے کہ تشریف لے آیئے تختِ خلافت آپ کا منتظر ہے۔

(۵)۔ آپ نے مزید تسلّی کے لیئے اپنے چچا زاد مسلمؒ بن عقیلؒ کو کوفہ بھیج دیا۔ جب گورنر کوفہ کو مسلمؒ کی تخریب کارانہ کاروائیوں کا علم ہوا تو اس نے مسلمؒ کو قتل کرایا۔

(۶)۔ کوفہ ابھی گیارہ منزل دور تھا کہ آنجنابؓ کو قتل مسلمؒ کی خبر ملی تو آپؓ نے واپسی کا ارادہ فرمالیا۔ مسلمؒ کے بھائیوں اور جو کوفی مکہّ سے آپ کو ہمراہ لائے تھے انہوں نے

آپ کو واپس نہ جانے دیا۔

(۷)۔ کوفہ ابھی تین منزل دُور تھا کہ آنجنابؓ نے امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کے ارادے سے دمشق جانے کا فیصلہ کیا۔ حتیّٰ کہ آپ کوفہ سے دمشق جانے والے راستہ پر کربلا کے مقام پر پہنچ گئے۔

(۸)۔ کربلا کے مقام پر سرکاری افواج کے کمانڈر امیر عمرو بن سعد سے جو رشتہ میں آپکا ماموں تھا اس موضوع پر گفتگو ہوئی۔ آخر گورنر کوفہ کی اجازت سے آپ نے اگلے دن کربلا سے روانہ ہونے کا ارادہ کرلیا۔

جب کوفیوں کو آنجنابؓ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا جو خطوط کوفہ سے آپ کو لکھے گئے ہیں وہ ہمیں واپس دے دیجئے مگر آپؓ نے خطوط دینے سے انکار کر دیا۔ ستّر کوفی مکہّ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے۔ کوفہ سے بھی کوفیوں کی کچھ تعداد وہاں پہنچ گئی۔ وُہ خطوط کی واپسی کا مطالبہ کر رہے تھے اور آپؓ انکار کر رہے تھے۔ کوفیوں نے جبراً خطوط چھیننا چاہے۔ آپ نے مدافعت کی اور ان بے حیا غدّار۔ مکّار اور ابلیس صفت کوفیوں نے خانوادۂ نبوّت کے ۲۵ - ۳۰ افراد کو خون میں نہلا دیا۔

امیر عمرو بن سعد کو جب اس واقعہ فاجعہ کی اطلاع ملی تو وہ سرکاری فوج لیکر پہنچا اور چند لمحات میں تمام غدّاروں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔

(تحذیر الناس صفحہ ۱۱۴ تا ۱۳۴)

حسین عارف صاحب نے سیّدنا حسینؓ کی تیسری شرط "اضع یدی فی ید یزید" کی تردید کیلئے عقبہ بن سمعان کا سہارا لیا تھا لیکن اس کا روایت میں مقام اور واقعہ کربلا کی صحیح صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد کوئی پاگل ہی باور کر سکتا ہے کہ سیّدنا حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا۔ اس قسم کی تصریحات کے باوجود جناب حسین عارف صاحب کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ ہو کہ آپ بڑے دھڑلے سے فرماتے ہیں کہ "حتیٰ اضع یدی فی ید یزیدؒ" والی روایت کن کن شیعی مآخذات میں موجود ہے (مآخذات آگے آرہے ہیں)

مطمئن رہیئے) مگر چونکہ طبیعت مناظرانہ بھی ہے اور اپنے ہمخیال لکھاریوں کی طرح خلط مبحث کی عادی بھی اسلیئے سوچا ہوگا کہ شیعی ماخذات میں تو یہ روایت موجود ہے لہٰذا حفظِ ماتقدم کے طور پر ابھی سے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈھ نکالنا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اگر شیعی ماخذات میں متن روایت موجود بھی ہو تو پھر بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ عقلاً" ناممکن ہے کہ امام مفترض الطاعۃ اور امام معصوم ایسی بات فرمائیں جسکی توقع ایک عامی سے بھی نہیں کی جاسکتی۔

واہ۔ جناب کیا دور کی کوڑی لائے ہیں بلکہ کوڑیوں بھرا ہوا پورا ٹوکرا اٹھا لائے ہیں:

۱۔ شیعہ مآخذات میں موجود بات کو آپ نہ قبول کرنیوالے کون ہیں؟

۲۔ بیسیوں شیعہ کتب میں مرقوم ایک حقیقت کے مقابلے میں آپ کی "عقلاً" ناممکن" کو کون پوچھتا ہے۔

۳۔ آپ تو صرف اپنے ایک امام مفترض الطاعۃ کے غم میں ہلکان ہورہے ہیں مگر ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ آپ کے باقی ائمہ کرام نے اس امر میں کیا کردار ادا کیا؟

۴۔ یہ مفترض الطاعۃ کی بار بار رٹ آخر چہ معنی دارد؟

کیا آپ یا آپ کے کوئی مجتہد یا آیت اللہ یہ بتا سکتے ہیں کہ گذرے ہوئے گیارہ ائمہ میں سے کس کا حکم زمین کے کس حصّے پر نافذ ہوا۔ ہاں آپ کے بارھویں امام ابھی باقی ہیں۔ وہ تشریف لائیں گے تو جو دینی خدمات ان سے سرزد ہوں گی ان کے کیا کہنے۔ ان کی خدمات کی تفصیل آپ کی کتب معتبرہ میں پڑھ کر گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ حسین عارف صاحب میری تالیف کے مندرجات پر بحث کرتے مگر انہوں نے تمام مندرجات کو نظر انداز کر کے صرف "تلخیص شافی" کی روایت

پر بحث کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب عبدالجبار معتزلی کے جواب میں ہے یعنی اس کا تعلق فن مناظرہ سے ہے اسلیئے اس کی روائت ناقابلِ قبول ہے۔

دراصل قاضی عبدالجبار معتزلی نے اپنی کتاب "مغنی" میں سوال کیا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اپنے بھائی اور باپ کی طرح تقیہ کر کے اپنی جان کیوں نہ بچائی اس کے جواب میں مشہور شیعہ عالم سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ۴۳۶ھ اپنی کتاب "تلخیص شافی" میں یہ روایت لا رہے ہیں۔

فکیف یقال ......الخ

"اسلیئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان ہلاکت میں ڈالی حالانکہ یہ روائت بھی کی گئی ہے کہ امام نے ابن سعد سے فرمایا تھا کہ تین میں سے ایک صورت اختیار کرلو یا تو مجھے مدینہ واپس[1] جانے دو۔ یا مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں[2] اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دوں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے وہ میرے حق میں جو رائے قائم کرے سو کرے یا اسلامی سرحدات کی طرف[3] جانے دو۔

اقول: شیعی دُنیا میں مولوی اسماعیل آنجہانی پہلا شخص گزرا ہے جس نے "تلخیص شافی" کے غیر معتبر ہونے کا شوشہ چھوڑا تھا اور جناب حسین عارف صاحب نے مولوی اسماعیل آنجہانی کی تقلید میں "تلخیص شافی" پر تنقید کی ہے۔ حالانکہ "تلخیص شافی" عندالشیعہ نہایت معتبر کتاب ہے "تلخیص شافی" کے صفحہ اوّل پر یہ عبارت مرقوم ہے:

وھو کاملہ لم یات مصنف ولا مولف بمثلہ علی رد العلماء العامۃ العمیاء۔

یہ کتاب مثل اپنی اصل کے (کتاب شافی کے) بے مثل ہے۔ کسی مصنف اور مؤلف نے ایسی کتاب کور چشم علماء (اہلسنت) کے رد میں نہیں لکھی۔

وھو کاملہ سے مُراد کتاب الشافی ہے۔ اگر تلخیص مردود ہے تو کتاب الشافی بھی مردود ہے اور "کتاب الشافی" مولفہ شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ کے متعلق اسکے صفحہ اوّل پر مرقوم ہے۔

وھو کاصلہ

وھو کتاب لم یات بمثلہ احد من الانام فی سالف المشھور والاعوام ولا یاتون ابدا ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا لان اجدادہ الطاھرین کانوا لہ فی نصرتہ لھم ھادیا ومؤیدا و نصیرا۔

اور شافی ایک ایسی بے مثل کتاب ہے جس کے مانند گزشتہ زمانے میں کوئی کتاب نہ لکھ سکا اور نہ آئندہ لکھ سکے گا، اسلیئے کہ اس کی تصنیف میں ائمہ کرام مصنف کے اجداد کی تائید اور مدد تھی۔

شیخ عباس قمی لکھتا ہے:

الشافی فی الامامۃ لم یصنف مثلہ فی الامامۃ

(الکنی والالقاب جلد۲ صفحہ ۳۳۹)

شافی مسئلہ امامت میں ہے اور مسئلہ امامت پر اس جیسی کتاب کسی عالم نے نہیں لکھی

مگر آج ساڑھے نو سو سال بعد جناب حسین عارف صاحب فرما رہے ہیں کہ یہ کتاب ناقابلِ اعتبار ہے۔ ان ساڑھے نو سو سال میں کسی دُوسرے شیعہ مجتہد۔ عالم مصنف یا مؤرخ کو نظر نہیں آیا کہ تلخیص شافی مناظرہ کی کتاب ہے۔ اسلیئے ناقابلِ اعتبار ہے۔ کتاب الشافی اور اس کی تلخیص مناظرہ کی کتابیں نہیں بلکہ مسئلہ امامت کی کتابیں ہیں۔

موصوف نے دُوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ تلخیص شافی میں صیغۂ مجہول استعمال کیا گیا ہے۔ بجا ارشاد مگر الامامۃ والسیاسۃ، کتاب الارشاد، اعلام الوریٰ، بحار الانوار، نواسخ الاشجان اور شرح ارشاد باقری جیسی شیعہ کتب میں تو مجہول کے صیغے استعمال نہیں ہوئے۔

جناب حسین عارف صاحب نے شریف مرتضیٰ اور طوسی کی تمام محنت پر بیک جنبشِ قلم پانی پھیر دیا۔ ع

یہ باتیں ہیں اُن کی جن کے حوصلے ہیں زیاد

"ق فوق"

بفرضِ محال کتاب الشافی اور تلخیص شافی غیر معتبر کتابیں ہیں اور محض مناظرہ کی کتابیں ہیں۔ اسلیئے یہ روایت ناقابلِ قبول ہے تو قاضی عبدالجبار معتزلی صاحبِ مغنی کا یہ سوال اب بھی آپ کے ذمہ ہے۔ ذرا اس سے بچنے کا کوئی راستہ بھی ڈھونڈ نکالیئے

سوال یہ ہے:

"شیعہ کا عقیدہ ہے کہ تقیہ ہر ضرورت کے وقت جائز ہے اور خوفِ جان ہو تو تقیہ فرض ہو جاتا ہے۔ کربلا میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی جان دی بلکہ اپنے اہلِ بیت کو شہید کرایا۔ کئی مصائب برداشت کیئے۔ اس کی اصل وجہ تقیہ نہ کرنا ہے اگر وہ تقیہ کر کے یزید کی بیعت کر لیتے تو خدا کی نافرمانی بھی نہ ہوتی اور جان بھی بچ جاتی۔ حالانکہ سیّدنا حسنؓ نے تقیہ کر کے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی (بزعم شیعہ)۔ علمائے امامیہ کے نزدیک سیّدنا حسینؓ کی موت کس قسم کی تھی۔ انہوں نے سیّدنا حسنؓ کی طرح تقیہ نہ کر کے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالا۔ دونوں بھائیوں کے متضاد عمل کو کس طرح یکجا کرو گے۔"

شریف مرتضیٰ نے تو تیسری شرط والی روائت کا سہارا لے کر جواب تحریر کر دیا دیکھیئے اس سوال کے جواب کیلئے آپ کون سا اٹکل پچو لگاتے ہیں۔

جناب حسین عارف صاحب! آپ نے شریف مرتضیٰ کی کتاب کتاب الشافی اور ابوجعفر طوسی کی تلخیص الشافی سے "حتی اضع یدی فی ید یزید" والی روائت سے جان چھڑانے کے لیئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ اگر بقول آپ کے یہ مناظرہ کی کتابیں ہیں لہٰذا ان میں اس روائت کا آجانا شیعوں کے لیئے حجت نہیں تو یہ استدلال علامہ طبرسی کو کیوں نہ سُوجھا۔ ملا باقر مجلسی اور شیخ عباس قمی کو کیوں نہ سُوجھا؟ انہوں نے اس روائت کو کیوں اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ بلکہ شریف مرتضیٰ اور ابوجعفر طوسی نے اس روائت کو کیوں قبول کیا اور اس روایت کے سہارے "صاحب مغنی" سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کیوں کی؟ جب تحریفِ قرآن کا مسئلہ چلے تو طوسی کے دامن میں پناہ ڈھونڈی جاتی ہے اور جب سیّدنا حسینؓ کے رجوع کی بات ہو تو طوسی اور شریف مرتضیٰ کو ناقابلِ اعتماد ٹھہرایا جاتا ہے ع

جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی

جناب حسین عارف صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۱۸ پر مندرجہ ذیل سوالات اُٹھائے ہیں :

۱۔ تیسری شرط والی روائت کن کن شیعی ماخذات میں ہے۔
۲۔ اس روائت کے راوی کون کون سے ہیں۔
۳۔ کیا یہ تمام راوی عادل ہیں یا ان پر جرح کی گئی ہے۔

یہ تینوں سوالات در اصل ایک ہی سوال کی مختلف صورتیں ہیں اور صرف اپنے ہمنواؤں میں اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیئے ایک سوال کو تین سوالات کی شکل دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسین عارف نے شوقِ تالیف میں راقم کا کتابچہ "سیدنا حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع" غور سے پڑھا ہی نہیں جس میں شیعہ مذہب کی متعدد کتب سے سیدنا حسینؓ کی تین شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔ رہا مسئلہ ان روایات سے متعلق راویوں کا تو سیّد صاحب! یہ بات اپنے ان مصنفین سے پوچھیے جنھوں نے مکرر اس روایت کو اپنی تالیفات میں درج کیا ہے۔ اگر آپ کو ان کتب کے مندرجات سے اتفاق نہیں تو ذرا جرأت سے کام لے کر صرف ایک بار ہی کہہ دیجئے کہ یہ کتب محض خرافات کا پلندہ ہیں اور ان لوگوں نے تیسری شرط لکھنے کی محض جھک ماری ہے :

شیعہ مذہب میں راوی کوئی کہاں سے لائے

(۱)۔ حضور اکرمؐ کے بعد سوائے تین کے (نعوذ باللہ) سب مرتد ہو گئے۔ اور ان تین کا بھی یہ حال تھا کہ اگر سلیمان کو مقداد کے ایمان کا پتہ لگ جاتا تو وہ اسے قتل کر دیتا اور مقداد کو سلیمان کے ایمان کا پتہ لگ جاتا تو وہ اسے قتل کر دیتا۔

(۲)۔ رجال کشی صفحہ ۶ پر مرقوم ہے کہ میدانِ قیامت میں جناب علیؓ کے ساتھ صرف چار آدمی ہوں گے۔ عمرو بن الحمق خزاعی۔ محمد بن ابوبکر۔ میثم بن یحییٰ التمار مولیٰ بنی اسد اور اویس قرنی۔

(۳)۔ رجال کشی کے اسی صفحہ پر سیّدنا حسن کے متعلق ہے کہ قیامت کے دن حسنؓ کیساتھ

صرف سفیان بن ابی لیلی اور حذیفہ بن اسید الغفاری ہوں گے۔
یاد رہے کہ یہ سفیان وہی ہے جس نے جناب حسنؓ کو "مذل المؤمنینؓ" کے خطاب سے نوازا تھا۔

(۴)۔ قیامت میں حسینؓ کے ساتھ صرف وہی لوگ ہوں گے جو کربلا میں ان کے ساتھ قتل ہوئے اور اس سے بڑھ کر پُر لطف بات یہ ہے کہ جناب باقرؒ تک شیعہ مذہب میں حلال وحرام کا ہی کسی کو علم نہ تھا۔ (اصول کافی صفحہ ۴۹۶) تو دوسری باتوں کا کیا ذکر

(۵)۔ تمام ائمہ کے اصحاب اصول وفروع میں باہم مختلف تھے۔

(زائد الاصول صد ۸۴ مطبوعہ ایران)

مذہب شیعہ کے راویانِ حدیث زرارہ۔ محمد بن مسلم، ابو بریدہ۔ ابو بصیر۔ شہابین۔ حمران۔ جبکیر۔ مومن طاق۔ ابان بن تغلب اور معاویہ بن عمار وغیرہ پر اگر شیعہ مذہب کی کتب اسماء الرجال اور تراجم کی روشنی میں بحث کی جائے تو تمام قصہ ہی ختم سمجھو۔

ثبوت "اضع یدی فی ید یزید"

گزشتہ صفحات میں سیّدنا حسینؓ کی اس خواہش "اضع یدی فی ید یزید" پر سیر حاصل تبصرہ ہو چکا ہے۔ اب شیعہ مذہب کی مستند امہات الکتب سے بحوالہ اس شرط کے ثبوت پیش کیئے جاتے ہیں :۔

۱۔ پہلا ثبوت "کتاب الشافی" کی تلخیص شافی سے گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے اور نہایت وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب حسین عارف صاحب نے محض اپنی ذہنی آسودگی کیلئے اسے مناظرہ کی کتاب قرار دیکر مذکورہ روایت سے انحراف کیا ہے۔ غالباً موصوف دُنیائے شیعیت کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے "تلخیص شافی" جیسی مستند شیعہ کتاب کی صحت سے انکار کی جرأت کی ہے۔

۲ - "الامامۃ والسیاسۃ" کا سبائی مؤلف لکھتا ہے[1]،
سیدنا حسینؓ امیر عمروؓ بن سعدؓ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :

یا عمر واختر منی ثلاث خصال اما تترکنی ارجع کما جئت فان ابیت ھذہ فاخری سیّرنی الی الترک اقاتلھم حتی اموت او سیّرنی الی یزید فاضع یدی فی ید یزید فیحکم بما یرید فارسل عمرو الی ابن زیاد بذلك فھم ان یسیر الی یزید.
(جلد ۲ صفحہ ۶، مطبوعہ مصر)

اے عمرو میرے بارے میں تین باتوں میں سے ایک اختیار کیجئے یا تو مجھے چھوڑ دیجئے کہ جیسے آیا ہوں ویسے ہی واپس ہو جاؤں۔ اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ترکوں کے مقابلہ پر بھیج دیجئے کہ ان سے لڑتا رہوں تا آنکہ مجھے موت آجائے یا پھر یہ کہ مجھے یزید کے پاس جانے دیجئے کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں۔ اور پھر وہ جو چاہیں فیصلہ کریں عمروؓ نے ابن زیاد کو یہ اطلاع دے دی تو انہوں نے انہیں یزیدؒ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔

۳ - مشہور شیعہ عالم محمد بن نعمان شیخ مفید لکھتا ہے :

او ان یاتی امیر المؤمنین یزید فیضع یدہٗ فی یدہٖ۔
(کتاب الارشاد صفحہ ۲۱۰ طبع ۱۳۶۴ھ)

یا حسینؓ کو امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس جانے دیجئے تاکہ یہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔

۴ - شیعہ عالم شریف مرتضےٰ علم الھدیٰ لکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے جناب عمروؓ بن سعدؓ سے فرمایا :

او ان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمی لیری فی رایہ
(تنزیہ الانبیاء والائمۃ صفحہ، طبع ۱۳۵۰ھ)

یا پھر (مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ) میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں۔ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔ میرے متعلق فیصلہ وہ خود ہی کرے گا۔

[1] "الامامۃ والسیاسۃ" پر تعارفی نوٹ گذر چکا ہے۔

۵ - شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی اپنے استاد شریف مرتضیٰ کے یہی الفاظ لکھتا ہے کہ سیدنا حسینؓ نے عمروؓ بن سعدؓ سے فرمایا :

او ان اضع یدی علی ید یزیدؒ فھو ابن عمی لیری فی رایہ
(تلخیص شافی ص ۴۷۱ طبع ۱۳۰۱)

یا پھر (مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ) میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے میرے متعلق وہ خود ہی فیصلہ کریگا۔

۶ - مشہور شیعہ عالم فضل بن حسن طبرسی لکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے امیر عمروؓ بن سعدؓ کو جو درخواست پیش کی اس میں یہ لفظ تھے :

او ان یاتی الیٰ امیر المؤمنین یزید فیضع یدہ فی یدہٖ۔
(اعلام الورٰے باعلام الہدٰے صفحہ ۲۲۳ طبع ۱۳۳۸ھ)

یا ان (حسینؓ) کو امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ یہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیں۔

۷ - علامہ محمد باقر مجلسی لکھتا ہے :

یا اینکہ امیر المؤمنین یزید بیاید و دست خود را درمیان دست او بگذارد۔

یا یہ کہ امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں۔

(بحار الانوار ۱۰ : ۲۴۶ طبع ۱۳۵۵ھ)

۸ - مشہور شیعہ عالم سید محسن الامین آملی کہتے ہیں :

او ان یاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہ فی یدہٖ
(لواعج الاشجان صفحہ ۱۰۱ طبع ۱۳۸۳ھ)

یا ان (حسینؓ) کو امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ یہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں

۹ - شیعہ عالم باقر ساعدی خراسانی لکھتا ہے :

یا پیش یزید رفتہ دست در دست او بگذارد تا او خود تصمیم بگیرد۔
(شرح فارسی ارشاد مفید متن عربی ص ۴۴۳ طبع ۱۳۵۱ھ)

یا (حسینؓ) یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دے دیں تاکہ وہ خود ہی فیصلہ کریں

۱۰ ۔ او ان یّاتی الی امیرالمومنین یزید فیضع یدہٗ فی یدہٖ (کتاب الارشاد شیعہ صفحہ ۲۱۰ طبع ۱۳۶۴ھ)	یا یہ کہ (حسینؓ) امیرالمؤمنین یزید کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیں ۔
۱۱ ۔ قال الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ احملونی الی یزیدؒ لابایعہ (نبراس صـ۵۴۱ طبع ۱۳۱۳ھ شرح شرح عقائد)	حضرت حسینؓ نے (حکومت کے افسروں سے) فرمایا مجھے یزیدؒ کے پاس جانے دو تاکہ میں اس کی بیعت کروں ۔
۱۲ ۔ خودش بطرف یزید برود واختلافات خودرا باوی حل کنند ۔ (زندگانی چہاردہ معصوم صـ۳۳۲ طبع تہران ۱۳۹۰ھ)	وہ (حسینؓ) یزید کے پاس چلے جائیں اور یزید سے مل کر اپنے اختلافات حل کریں ۔

اصل میں عزیز اللہ عطاردی نے اعلام الوریٰ میں منقول الفاظ او ان یاتی الی امیرالمؤمنین یزید فیضع یدہ فی یدہٖ کا ترجمہ کیا ہے اگرچہ عزیز اللہ نے فارسی ترجمہ کرتے وقت خیانت سے کام لیا ہے مگر حقیقت سے انحراف اس کے بس کا روگ نہ تھا ۔

۱۳ ۔ سیّدنا حسین کربلا پہنچتے ہیں ۔ جب ان کوفیوں کو جو مکہ سے آپ کو ہمراہ لائے تھے ان کے عازم دمشق ہونے کے متعلق معلوم ہوتا ہے تو آنجنابؓ کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اس موقعہ پر آنجناب کے رفیق زہیر بن القین ان کوفیوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں :

خلوا بینہ وبین یزیدؒ (مقتل ابی مخنف صفحہ ۵۶)	ان کے اور یزید کے درمیان سے ہٹ جاؤ ۔

تو جواب میں ان لوگوں نے کہا ہم ہٹنے والے نہیں جب تک انہیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کریں پھر وہ یزید کی بیعت کرلیں (مقتل الحسینؓ صفحہ ۱۰۱)

۱۴ ۔ یہی مفہوم ابن جریر طبری[1] اپنی تاریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۳ میں بیان کرتا ہے ۔ ایں

[1] طبری کے شیعہ ہونے کا ثبوت سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے ۔

یہ الفاظ زیادہ ہیں ۔ ابن عمہ یزید بن معاویہ یعنی ان صاحب اور ان کے چچا کے بیٹے یزید بن معاویہؓ کے درمیان سے ہٹ جاؤ ۔

اسی قسم کی تمام باتیں سیّدنا حسینؓ کے سامنے ان کے ساتھی کہتے ہیں مگر آپ نے کسی ایک موقع پر بھی ان کو ایسا کہنے سے منع نہیں کیا ۔

ان تصریحات کی موجودگی میں سیّدنا حسینؓ کی اس خواہش "ان اضع یدی فی ید یزید" سے انکار بڑی جرأت کا مظاہرہ ہے :

۱۵ ۔ اب آخر میں مشہور شیعہ مؤرخ سیّد امیر علی کا فیصلہ کن قول بھی سُن لیجئے :

Hussain proposed the option of three honourable conditions that he should be allowed to return to Medina or be stationed in a Frontier Garrison against the Turks or safely conducted to the presence of YAZID.

(عمرو بن سعدؓ کے سامنے) سیّدنا حسین نے تین باعزت شرائط پیش کیں ۔ مجھے مدینہ واپس جانے دیا جائے ۔ دُوسری یہ کہ مجھے سرحدات کی طرف ترکوں کے خلاف جہاد کے لیئے جانے دیا جائے ۔ تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس جانے دیا جائے ۔

(*History of cerecence By Justice S. Amir Ali.* P.85)

اس شرط کے ثبوت کے لیئے مزید حوالہ جات کی فہرست گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے ۔

سیّدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع اتنا واضح ۔ متواتر اور اظہر من الشمس ہے کہ کسی قسم کی کوئی لفظی ہیرا پھیری اس کو دھندلا نہیں سکتی ۔

اَلحَقُّ مُرٌّ

درج ذیل سطور صرف ان بے شعور اور عقل سے پیدل اہلسنّت والجماعت کیلئے ہیں جو سیّدنا حسینؓ کا قاتل امیر یزیدؒ کو گردانتے ہوئے تھکتے نہیں. وہ صحاح ستہ کو قرآن کے بعد دین کا منبع سمجھنے کے باوجود بخاری شریف کی مشہور "حدیثِ مغفور" کی تاویلیں کرتے ہیں. جس حدیث میں یزید کو صاف طور پر جنّت کی بشارت مل چکی ہے. یہ لوگ حقائق سے غضِ بصر یا صرف نظر کرتے ہوئے سبائیت کے ترجمان بن کر رہ گئے ہیں.

ایک صاحبِ ایمان تو اس تصوّر سے بھی کانپ جاتا ہے اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ سیّدنا حسینؓ کی موت اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے واقع ہوئی تھی.

چھتیں لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ ہزاروں صحابہؓ (جن میں سے اڑھائی صد کے نام اسماء الرجال سیرت اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں) لاکھوں تابعین اور تبع تابعین نے جس انسان کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا. اس کے خلاف صرف ایک آدمی کا خروج حضور نبی اکرمؐ کے ارشادات کی روشنی میں کیا ہوگا.

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

(۱). من اتاکم وامرکم جمیع یرید ان یفرق جماعتکم ویشق عصاکم فاضربوا عنقہٗ.

جب تمہارا معاملہ کسی ایک امیر پر مجتمع ہو جائے تو (اس کے بعد) جو بھی تمہارے درمیان تفرقہ ڈالے اس کی گردن اڑا دو.

(۲). ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا نبی اکرمؐ نے :-

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی (بخاری ومسلم)

جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی.

۳ - عن ابن عباس بردیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای عن امیرہ شیئاً مکرھہ فلیبصر فانہ لیس لاحد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الامات میتۃ الجاھلیۃ (صحیح بخاری جلد۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر نکلا اور (اس حالت میں) مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا.

۴ - عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل عبد حبشی راسہ زبیبہ (صحیح بخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم مانو اور اطاعت کرو اگرچہ وہ امیر حبشی ہو اور سر سے گنجا ہو.

۵ - عبداللہؓ بن عمرؓ راوی ہیں :-

من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیٰمۃ ولاحجۃ لہٗ

جس شخص نے اپنے ہاتھ کو اطاعت سے خارج کیا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لیئے کوئی دلیل نہیں ہوگی

۶ - من اتاکم امرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم فاضربوا عنقہ کائنا ما کان

جب تمہارا معاملہ کسی ایک شخص پر مجتمع ہو جائے تو اس صورت میں جو بھی تمہارے درمیان تفریق ڈالنے کا ارادہ کرے اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو.

۷ - عن عرفجہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان. (مسلم شریف)

حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا. آپ نے فرمایا عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں خلل پیدا کرنا چاہے اور امت اس پر متفق ہو چکی ہو تو اس کی گردن

اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

۸ ۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع خلیفتین فاقتلوا الاخرہ منہا

(اخرجہ البغوی)

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دو خلفاء کیلئے بیعت ہوجائے تو آخری کی گردن مار دو۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے واضح ارشادات بھی موجود ہوں۔ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دوسرے عوام نے بیعت خلافت بھی کرلی ہو تو سیدنا حسینؓ کے بیعت یزید کیلئے تیار ہونے میں کونسا امر مانع ہوسکتا تھا۔ کیا یزید کا فسق و فجور کسی شامی یا کسی حجازی کو نظر نہ آیا۔ صرف کوفیوں کو ہی "اسلام خطرے میں ہے" کی گھنٹی سنائی دی۔ دراصل کوفی وہی شرارتی گروہ تھا جس نے سیدنا علیؓ کی خلافت کو بھی ناکام بنایا۔ اب یہ بدامنی پھیلانے کے لیئے سیدنا حسینؓ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیئے انہوں نے آپ کو پے در پے خطوط لکھے۔ خود وفد کی صورت میں گئے اور ان کو لے آئے۔ دوران سفر آپؓ کو جب صحیح صورت حال کا انکشاف ہوا تو آپؓ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا اور بیعت یزید کی تجدید کے لیئے دمشق کا راستہ اختیار کرلیا۔ "حتیٰ اضع یدہ فی ید یزید" کی متفقہ روائت آپ کے رجوع کی روشن دلیل ہے۔ جسے تا قیام قیامت نہیں جھٹلایا جاسکتا۔

مشہور شیعہ مصنف نواب امداد امام نے اپنی تالیف "مصباح الظلم" میں بڑی پتے کی بات لکھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

> "بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔ حضرت حسینؓ کی سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔" (صفحہ ۱۸۸)

ان سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ :

۱۔ آپ نے اپنے مؤقف سے رجوع فرمالیا تھا۔
۲۔ اور یہ امر ان کے لیئے بہت بڑی سعادت بن گیا۔
۳۔ خروج عن الجماعت بہت بڑا جرم ہے۔
۴۔ اسلام میں جماعت کے فیصلہ کی حرمت کو برقرار رکھنا عین اسلام ہے۔
۵۔ اگر آپ اپنے مؤقف سے رجوع نہ فرماتے تو دوسری صورت وہی ہوتی جو گزشتہ اوراق میں بیان کی جاچکی ہے۔

حرفِ آخر

"سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع" کے تعاقب میں "امام حسین علیہ السلام اور تیسری شرط" نامی کتابچہ ایک خاص اہتمام سے ملک کے طول و عرض میں پھیلایا گیا۔ جس کے ردِ عمل کے طور پر مجھے خطوط مختلف مقامات سے موصول ہوئے ان کی تعداد حد سے زائد ہے۔ خطوط لکھنے والوں میں جید علمائے کرام بھی ہیں۔ پروفیسر اور وکلاء بھی خطیب حضرات اور صحافی بھی۔ ان سب کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ جناب حسین عارف صاحب نے کتاب کے باقی مندرجات کو تقریباً درست تسلیم کرلیا ہے۔ اور اول الذکر دو شرائط پر بھی ان کو کوئی اعتراض نہیں۔ صرف تیسری شرط پر بحث کرکے اس بات کو بالواسطہ طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ سیدنا حسینؓ نے اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا تھا۔ مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنجنابؓ نے واپس جانے کے ارادہ کا اظہار کیا تھا تو اس صورت میں آپ کو عامل مکہ یا مدینہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا تھی۔ بات وہی "حتیٰ اضع یدی فی ید یزید" رہی اور اگر آنجنابؓ نے سرحدات کی طرف جاکر جہاد کرنے کا ارادہ کیا تھا تو آپ کے پاس جہاد کے وسائل کون سے تھے اور خلیفۂ وقت کی

کی اجازت کے بغیر آپ کیسے جہاد کر سکتے تھے؟ اور آپ کے پاس جہاد کرنے کیلئے کونسی فوج تھی۔

اب صاحب بصیرت خود ہی اندازہ لگالیں کہ اصل صورت حال کیا تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے ماموں امیر عمرو بن سعد اور دوسرے ماموں امیر شمر کے ذریعے عامل کوفہ کو یہ پیغام بھجوایا ہوگا کہ میں براہ راست امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کروں گا مگر کوفیوں کو اس بات میں اپنی موت نظر آئی اور انہوں نے اپنی سابقہ روش کیمطابق سیدنا حسینؓ کو بھی شہید کر دیا۔

چنانچہ علامہ تمنا عمادی مرحوم نے اس موضوع پر بڑا جاندار تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس کی اجازت قرآن مجید نے نہیں دی کہ اولوالامر کے خلاف کسی قسم کی شکایت ہو تو اس کے خلاف بغاوت کرو۔ اور اس کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیا حضرت حسینؓ یا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ کے پاس شکایات اکابر صحابہؓ کے ساتھ جاکر پیش کرنے کی زحمت گوارا کی؟ کیا قرآن وسنت کے ذریعے ان کو قائل کیا؟ کیا شکایات کی باقاعدہ تحقیقات کی اور ان کے جوابات ان سے پوچھے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر قرآن وسنت کی رو سے یہ خروج کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اسلیئے سارے صحابہؓ اور سارے اکابر مسلمین حضرت حسینؓ کے اس خروج کے خلاف تھے۔ خود ان کے چچا، ان کا بھائی محمد بن الحنیفہ، ان کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر سب ان کو روک رہے تھے اور کسی نے ان کے خروج میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور آخر وقت تک ان کو روکتے رہے۔

(مقدمہ قصیدۃ الزہرا صفحہ ۱۳۴)

اقول: کتنا حیران کن امر ہے کہ چھپن لاکھ مربع میل سے زیادہ وسیع وعریض سلطنت میں بسنے والے کروڑوں مسلمان امیر یزیدؒ کی خلافت کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان میں سینکڑوں صحابہ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں تابعین تھے۔ اڑھائی سو سے زیادہ جلیل القدر صحابہؓ کے نام اسماء الرجال و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو یزیدؒ کی کوئی بدکرداری

نظر نہ آئی۔ اور اگر امیر یزیدؒ واقعی بدکردار تھے تو معاذاللہ، ثم معاذاللہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کیا سب کے سب بزدل تھے؟ فاسق وفاجر تھے؟ اس تصور سے ہی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج جو لوگ محراب ومنبر سے لہک لہک کر امیر یزیدؒ کی مفروضہ برائیاں بیان کرتے ہیں وہ بالواسطہ امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو دین سے بیگانہ۔ بزدل۔ کتمان حق کے مجرم بلکہ فاسق وفاجر سمجھتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔

علامہ تمنا عمادی مرحوم "خطائے اجتہادی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:-

"مگر حضرت حسینؓ ابتداء ہی سے خلافت کو اپنا حق یعنی قرب قرابت رسول کی وجہ سے سمجھتے رہے۔ حضرت عمرؓ کو برسر منبر ایک دن کہہ گئے تھے کہ اترو ہمارے جد کے منبر سے۔ جاؤ اپنے جد کے منبر پر۔ حضرت عمرؓ نے ہنس کر پوچھا۔ تم کو یہ کس نے سکھایا ہے؟ حضرت علیؓ مسجد میں موجود تھے۔ ان کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو حضرت عمرؓ کو بدگمانی ہو کہ میں نے حسینؓ کو ایسا کہا ہے یا سکھایا ہے۔ فوراً کھڑے ہو کر کہا کسی نے نہیں سکھایا ہے۔ یہ لڑکا بطور خود ایسا کہہ رہا ہے۔"

اقول: سیدنا حسینؓ کی پیدائش فتح مکہ کے بعد کی ہے یعنی شروع ۹ ہجری کی۔ آپ کی دایہ ام الفضل زوجہ عباسؓ تھیں جو فتح مکہ کے بعد مدینہ پہنچی تھیں۔ ان کو خواب نظر آیا کہ حضور اکرمؐ کے جسم کا ایک حصہ ان کی گود میں ڈالا گیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے تعبیر پوچھی تو آنحضورؐ نے سیدنا حسینؓ کی پیدائش کی طرف اشارہ کیا۔ (او کما قال بخاری)

اس لحاظ سے حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت آپ پورے اڑھائی سال کے بھی نہیں تھے۔ اگر آپ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ الفاظ کہے ہوں۔ تب بھی اس وقت کم وبیش چودہ سال کی عمر کے ہوں گے اور اگر شروع خلافت کے زمانہ میں کہے ہوں تو پانچ چھ برس کی عمر میں کہے ہیں۔ بہرحال اتنے کم سن بچے کو یہ کیسے

معلوم ہُوا کہ وُہ منبر جس پر حضرت سیّدنا فاروقِ اعظمؓ بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں ان کے جدّ کا منبر ہے اور ان کی وراثت ہے اور پھر فوراً حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت کیوں سمجھی۔

آگے چل کر تمنّا عمادی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے وقت ہی میں فتوحاتِ ایران کی ابتداء ہو چکی تھی۔ تقریباً دو سو مجوسی ایران سے منافقانہ اسلام قبول کرنے اور اسلامی تعلیم حاصل کرنے آئے تھے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ان لوگوں کو حضرت عمرؓ نے فوراً حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کے سپرد قرآن مجید اور ارکانِ اسلام کی تعلیم کے لیئے کیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ بنی ہاشم نے فتوحاتِ ایران میں عملی طور پر کوئی حصّہ نہیں لیا۔ اس لیئے ان منافقین کو بنی ہاشم سے موانست پیدا ہو گئی۔ پھر خاندانِ رسول اور اعزّہ رسول سے گرویدگی ظاہر کرنے لگے کہ بظاہر یہ محبّتِ رسول کا تقاضا سمجھا جائے گا۔ ان منافقین نے نوجوانانِ بنی ہاشم خصوصاً حضرات حسنینؓ کے کانوں میں پھونکنا شروع کیا کہ رسول اللہ کے بعد تو خلافت آپ کو ملنی چاہیئے تھی۔ یہ اغیار خلافتِ رسول پر ناحق قابض ہو گئے ہیں ....

.... انہوں نے ایران کے سلاطین کی مثالیں پیش کیں کہ دیکھیئے ہمارے ہاں نسلاً بعد نسل حکومت آتی رہی۔ ان منافق نژاد عجمیوں کے بہکانے سے حضرات حسنین بہت متاثر ہوئے۔

.... غرض ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی تھی کہ خلافت کے مستحق قرابتِ رسول کی وجہ سے ہم ہیں ...... رسول اللہ کے بعد خلافت ان کے نسبی وارثوں کو ملنی چاہیئے۔ ہو سکتا حضرت

حسینؓ کا یہ استدلال ہو مگر یہ ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اسلیئے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے .... غرض حضرت حسینؓ نے نعوذ باللہ بغاوت یا خروج جانتے بوجھتے ہُوئے نہیں کیا تھا۔ وُہ اپنے اس خروج کو دیانتاً بغاوت نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنے کو ادعائے استحقاقِ خلافت میں حق بجانب سمجھتے تھے مگر دنیا عالمِ اسباب ہے اور بغیر ظاہری ذرائع و اسباب کی فراہمی کے دُنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اہلِ کوفہ کے منافقانہ اصرار سے یہ سمجھے کہ خلافت تو ملتی ہے اللہ کی طرف سے حسبِ وعدہ الٰہی طلب اور سعی الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کا کام ہے۔

ہم طلب و سعی کر رہے ہیں۔ اب جو اہلِ کوفہ نے بڑی تعداد میں میرے بھیجے ہُوئے نائب کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کر لی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وعدۂ الٰہی کے پُورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اب اگر لوگوں کے روکنے سے ہم رُک جاتے ہیں اور مسلم کے اس واضح ترین خط کے بعد بھی ہم نہیں جاتے تو وعدۂ الٰہی پر گویا یقین نہیں رکھتے۔ اس لیئے حضرت حسینؓ نے کسی کی نہیں سُنی اور ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ جو ان کو لینے کے لیئے آئے تھے اپنے اہل وعیال اور چند اعزّہ کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لیئے حضرت حسینؓ کو نہ باغی کہا جا سکتا ہے نہ غدّار۔ نہ اُمّت میں تفرقہ ڈالنے والا۔ وہ اپنی دیانت کی رُو سے ان الزامات سے بالکل بری تھے البتہ خطائے اجتہادی ان سے ہو رہی تھی جس کا انکشاف ان کو اثنائے راہ[1] میں مسلم بن عقیلؓ کے قتل اور کوفیوں کی غدّاری اور بے وفائی کے بعد ہوا۔

[1] جو لوگ "امام" کو "عالم ما کان و ما یکون" سمجھتے ہیں وُہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر امام حسینؓ کو کوفہ کے حالات کا پہلے ہی علم ہوتا تو مسلم بن عقیلؓ کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر انہیں مستقبل کا علم ہوتا کہ کوفی غدّاری کریں گے تو "سیدنا حسینؓ" کو کوفہ کی طرف رختِ سفر باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔

جیسے ہی اپنی غلطی کا احساس ہُوا فوراً اپنے ادعائے خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اسکی فوری تلافی واپسی ہی سے ممکن تھی۔ اسیلئے واپسی کا فوراً ارادہ کرلیا۔ مگر جو ساٹھ کوفی ان کو لانے کیلئے کوفہ سے مکّہ گئے تھے اور ہمراہ آرہے تھے پہلے تو بہت بہلاوے دیئے کہ آپ کوفہ چلیئے تو سہی مسلم کی بات اور تھی آپ کی بات اور ہے۔ آپ کے کوفہ پہنچتے ہی سارا کوفہ آپ کے قدموں پر ہوگا مگر جب حسینؓ کسی طرح آگے بڑھنے پر راضی نہ ہوئے اور واپسی پر اڑگئے تو ان ساٹھ کوفیوں نے سختی سے آپ کو روکا۔ مجبوراً وہیں پر رُک گئے۔

کوفی کذّابوں کا یہ کہنا کہ مسلم بن عقیل کے ورثاء واپس جانے پر تیار نہ ہُوئے کہ جہاں مسلم کا خون وہاں ہمارا خون اور حضرت حسینؓ نے کہا جب تم واپس نہیں جاتے تو بغیر تمہارے ہماری زندگی بے لُطف رہے گی یہ کہہ کر وہ واپس جانے سے باز رہے صریح کذب بانی ہے۔ جب تو مسلم بن عقیل کے ورثاء کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی قصداً اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ مسلم بن عقیل تو بغاوت کے مجرم تھے اور گرفتاری کے لیئے جو چند سپاہی بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے کئی کے قتل کے الگ مجرم ہُوئے۔ اس لیئے قصاص میں مارے گئے۔ اب جو مجرم قصاص میں مارا جائے اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیئے جانا باوجود قوّت انتقام نہ رکھنے کے اور حکومت وقت سے مجرم کے خون کے انتقام میں لڑکر مارا جانا صریح خودکشی نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت سیّدنا حسینؓ کا تو بڑا درجہ ہے مسلمؒ کے ورثاء بھی اتنے جاہل نہ تھے کہ وہ کوفہ جانے کے نتیجہ سے واقف نہ ہوں اور اگر نعوذ باللہ یہ صحیح ہے تو یہ اللہ کی راہ میں جان دینا کس طرح ہوگا؟ یہ تو مسلم بن عقیلؒ کی راہ میں جان دینا ہوگا۔ حضرت حسینؓ کی ذات اس سے بالا تر تھی۔ غرض جو شخص عمرؒ بن سعدؓ کا خط لے کر اور کوفیوں کی غدّاری اور مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر لے کر آیا تھا اس نے واپس جاکر ابن سعد اور ابنِ زیاد کو مفصّل خبر دی کہ حضرت حسینؓ واپس جانے کو تیار ہو گئے تھے مگر ان کے ساتھ کوفیوں کی بڑی جماعت ہے جو ان کو مجبور کر رہی ہے کوفے آنے پر۔ وہ آخر وہیں رُک گئے ہیں اور کوفہ آنے پر راضی نہیں ہیں اور ان کے کوفی ساتھی ان کو مکّہ واپس جانے نہیں دیتے۔ اس قاصد کی نشاندہی کے مطابق ابن زیاد کے حکم سے ایک دستہ

سوار فوجیوں کا لے کر ابن سعدؒ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے قاصد کے ساتھ حضرتِ حسینؓ کے پاس پہنچ گئے۔ فوجیوں نے محاصرہ کر لیا کہ کوئی کوفی بھاگ نہ جائے۔ ابنِ سعد حضرت حسینؓ کے قرابت مند تھے۔ ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ عمرؒ بن سعدؒ حضرت حسینؓ کے ماموں ہُوئے۔ دونوں میں باتیں ہوئیں۔ حضرت حسینؓ نے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ یا تو مجھے واپس جانے دیا جائے

۲۔ یا ترکوں سے جہاد کی اجازت دی جائے۔

۳۔ یا یزید کے پاس دمشق جانے کی اجازت دی جائے۔

چنانچہ ابن زیاد کو خبر کر دی گئی۔ حسب روایت طبری اس نے درخواست پڑھ کر مسرّت کا اظہار کیا اور کہا قَبِلْتُ (میں نے قبول کیا)۔ چنانچہ زادِ راہ وغیرہ مہیّا کیا گیا۔ چُونکہ انکے ساتھ مجرم کوفیوں کو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ وہ کوفہ چلے جائیں اسیلئے کہ حضرت حسینؓ کو آمادہ کرکے لانے والے یہی مفسدین تھے اور اگر یہ حضرت حسینؓ کے ساتھ رہیں گے تو حضرت حسینؓ کو کبھی دمشق نہیں جانے دیں گے۔ کسی دُوسری طرف بھٹکا کر لے جائیں گے۔ اس لیئے جو دستہ فوج ابن سعد لائے تھے اس کے سپہ سالار شمر ذی الجوشن تھے۔ انکے دو بھانجے حضرت علیؓ کے صاحبزادے تھے وہ بھی حضرت حسینؓ کے ساتھ تھے۔ شمر سیّدنا علیؓ کے سالے اور ان کے مخلص شیعوں میں سے تھے۔ کوفی غدّار شیعوں کی طرح نہیں تھے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے محافظ دستہ شمر ہی کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کیا گیا اور حضرت حسینؓ اپنے عزیزوں کے ساتھ ان ساٹھ کوفیوں کے جلو میں مگر محافظ دستہ کی نگرانی میں دمشق کی طرف چل پڑے .... ظہر کے وقت مقام کربلا میں پہنچے تو پڑاؤ ڈالا گیا تاکہ نماز قصر دوگانہ بھی پڑھ لی جائے اور کھانے پینے سے فراغت کر کے آگے بڑھا جائے۔ دریائے فرات بھی سامنے تھا۔ لوگوں نے دریا پر جاکر وضو کیا مشکوں میں پانی بھر کر لائے۔ نماز پڑھی اور سب کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ ہر خیمے میں کچھ لوگ کھا پی رہے تھے۔

یہ سائٹ کوئی مفسدین ساتھ چلے تو تھے مگر اب محافظ فوج کی وجہ سے بھاگ نہ سکتے تھے اور دمشق جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ کربلا میں پڑاؤ جو ڈالا گیا تو یہ بھی اپنے خیموں میں ٹھہرے مگر سوچنے لگے کہ اب تو بڑی مشکل آن پڑی جس طرح مدائن میں حضرت حسنؓ معاویہؓ کی حفاظت میں چلے گئے اور ہم لوگوں کے قبضے سے نکل گئے اور ہم لوگ کئی برس تک کچھ نہ کرسکے اسی طرح یہ بھی دمشق پہنچ کر بیعت کرلیں گے اور امیر یزید کی حفاظت میں چلے جائیں گے اور ہم لوگوں کے قابو سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں گے۔ ہم لوگ تو اصل باغی ہیں۔ ممکن ہے توبہ کرکے قتل سے بچ جائیں مگر اس کے بعد ہم لوگ کرینگے کیا؟ .... بہتر موقع یہی ہے کہ سب وضو وغیرہ کی تیاری میں ہیں۔ نماز کے بعد خیموں میں کھانا کھانے لگیں گے۔ ہم لوگ چار پانچ آدمی حضرت حسینؓ کے خیمہ میں گھس کر سب سے پہلے حسینؓ کو ختم کریں اور اس کے بعد اور لوگ جو خیمہ میں ہوں ان کو قتل کردیں۔ محافظ فوج ہم لوگوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے اسلیئے بڑی احتیاط سے خیمے میں گھسیں۔

.... جب شور و غوغا ہوگا تو محافظ فوج بے تحاشا دوڑے گی اور حصار ٹوٹ جائیگا ہم میں سے جسے بھاگنے کا موقع ملا بھاگ نکلے گا۔

.... محافظ فوج کے چند لوگوں نے جو کمر میں بے وقت تلوار لگائے کوفیوں کو خیموں کی طرف جاتے دیکھا تو چوکنے ہوگئے مگر وہ چند کوفی خیموں میں گھس چکے تھے اور حضرت حسینؓ پر پہلا وار کرچکے تھے۔ ان کا سر کٹ کر رکابی میں آگرا۔ خیمے میں شور مچ گیا۔ فوجی بھی پہنچ گئے۔ فوجیوں نے ان کوفیوں کا صفایا کردیا۔ اب پوری فوج دوڑ پڑی۔ کوفیوں نے بھاگنا چاہا مگر فوجیوں نے ایک ایک کو پکڑ کر قتل کر دیا ایک بھاگ نکلنے میں بھی کامیاب ہوگئے ....

.... حضرت سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو ابن سعد نے نماز جنازہ کے بعد وہیں دفن کر دیا۔ مجروحین کو کوفہ لایا گیا۔ اور ان کا علاج کیا گیا۔ اس کے بعد انہیں دمشق روانہ کر دیا گیا .... حضرت زین العابدینؒ اور دوسرے زندہ بچنے والوں نے

امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب حضرت حسینؓ خود بھی بارادہ بیعت ہی دمشق جا رہے تھے تو اب امیرالمؤمنین یزیدؒ کی بیعت میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔"

(ملخص از القصیدۃ الزہرا صفحہ ۱۳۴ تا ۱۴۲)

اقول: اسی لیئے کربلا میں زندہ بچنے والوں نے ہر مقام پر کوفیوں کو ہی حضرت حسینؓ کا قاتل کہا۔

حضرت زین العابدینؒ کی زبانی اصل مجرمین کی نشاندہی ملاحظہ کریں:

لما اتی علی بن الحسین بالنسوۃ من کربلاؔ وکان مریضاً واِذا نساءُ اھل الکوفہ ینتدبن مشققات الجیوب والرجال معھن یبکون فقال زین العابدینؑ بصوت ضئیل فقد نھکتہ العلۃ ان ھولاءِ یبکون فمَنْ قتلنا غیرھم۔

(احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۸)

جب علی بن حسینؓ عورتوں کے ہمراہ کربلا سے چلے اور مرض کی حالت میں تھے دیکھا کہ اہل کوفہ کی عورتیں گریباں چاک کئے ہوئے بین کر رہی ہیں اور مرد بھی اُن کے ساتھ رو رہے ہیں تو امام زین العابدین نے کمزور آواز سے کیونکہ بیماری نے ان کو کمزور بنا دیا تھا فرمایا یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر ان کے سوا ہم کو قتل کس نے کیا۔

حضرت زینبؓ بنت علیؓ کا خطبہ ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون اردو صفحہ ۵۰۳ پر رقم کیا ہے جس میں کوفی شیعوں کو ہی قاتل قرار دیا ہے۔ فرماتی ہیں:

"اے اہل کوفہ! تمہارے ہاتھ قطع کئے جائیں۔ تم پر ہلاکت ہو تم نے کس جگہ گوشۂ رسول کو قتل کیا۔ اور کن پردہ گیان اہلبیت کو بے پردہ کیا۔ کس قدر فرزندان رسولؐ کی تم نے خونریزی کی اور حرمت کو ضائع کیا۔"

جب کوفی عورتوں نے کربلا سے بچنے والوں کو کوفہ میں دیکھا تو رونے لگیں۔ اس پر اُم کلثومؓ بنت علیؓ کے الفاظ قاتلان حسینؓ کی نشاندہی کے لیئے کافی ہیں۔ فرماتی ہیں:-

"اے زنانِ کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اور ہم اہلبیت کو اسیر کیا۔ پھر تم کیوں روتی ہو؟"

(جلاء العیون ملا باقر مجلسی صفحہ ۵۰۷)

واقعۂ کربلا کی من گھڑت کہانی

سید شاکر حسین نقوی مؤلف "مجاہدِ اعظم" اور نواب امداد امام مؤلف "ایضاح الغم" کے واقعاتِ کربلا پر تبصرے گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں اور علامہ تمنا عمادی نے جو واقعاتِ کربلا بیان کیے ان کے بعد اب مزید کسی تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن واقعاتِ کربلا کو افسانوی رنگ دینے والے پہلے کذّاب مصنف ابو مخنف کی کتاب "مقتل الحسین" سے ہم چند اقتباسات پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ ابی مخنف کی بیان کردہ روایات حقیقتاً سیدنا حسینؓ کی تعریف ہیں یا تنقیص؟ یہ مشاہیرِ اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟

میں بڑی جرأت کر کے یہ کلمات دہرانے پر مجبور ہوا ہوں۔ ورنہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے روح و جسم پر اس قسم کے واقعات سن کر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

سیدنا حسینؓ کی چیخ و پکار

ابی مخنف کربلا کے مقام پر سیدنا حسینؓ کی چیخ و پکار بیان کرتا ہے اور یہی چیخ و پکار "ماتم حسینؓ" کی جان سمجھی جاتی ہے۔

(۱) "ابو مخنف[۱] کہتا ہے کہ امام اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے لیکن اپنے ساتھیوں اور مددگاروں میں جسے دیکھا وہ یا تو قتل ہو چکا تھا یا گر پڑا تھا یا زخمی تھا تو آپ نے یہ آواز لگائی:

کیا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں جو ہماری فریاد کو پہنچے۔ کیا کوئی پناہ دینے والا نہیں جو ہمیں پناہ دے۔ کیا کوئی مدد کرنے والا نہیں جو ہماری

[۱] ان روایات کے لئے "مقتل الحسین" المشہور بہ مقتل ابی مخنف کا اردو ترجمہ مع حواشی و تعلیقات از پروفیسر علی احمد عباسی ایم ایس سی دیکھئے۔

مدد کرے۔ کیا کوئی جنت کا طلب گار نہیں جو ہماری طرف سے مدافعت کرے۔ کیا کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرنے والا نہیں جو ہم پر رحم کھائے۔ کیا کوئی ہمارا دمساز نہیں جو سختی میں ہمارے کام آئے۔ اس کے بعد آپ نے چند شعر پڑھے۔ (صفحہ ۱۱۹)

(۲)۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حسینؓ کے دائیں بائیں تو نہ کوئی مددگار نظر آیا اور نہ یاور (پھر یہ دیکھ کر) پکار اٹھے ہائے بے وطنی، ہائے پیاس۔ ہائے بے چارگی کیا کوئی مددگار نہیں جو ہماری مدد کو آئے۔ کیا کوئی یاور نہیں جو یاوری کرے۔ کیا کوئی پناہ دینے والا نہیں جو ہمیں پناہ دے۔ کیا کوئی حمایتی نہیں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حرم کا پشت پناہ ہو۔ (صفحہ ۱۲۵)

(۳)۔ لمبی چوڑی تفصیلات کے بعد:

"اے کلثوم، اے زینب، اے سکینہ، اے رقیہ، اے عاتکہ، اے صفیہ! تمہیں سب کو میری طرف سے سلام پہنچے۔ اب ہمارے مل بیٹھنے کا وقت اخیر آیا اور تم پر مصیبتیں پڑنے کا وقت قریب آیا۔" (صفحہ ۱۲۹)

(۴)۔ "ہائے مسلم بن عقیل، اے ہانی، اے عروہ، اے حبیب ابن مظاہر، اے زہیر بن القین، اے یزید ابن مظاہر، اے فلاں اور اے فلاں اے پاک باطن، سورماؤ اور میدانِ جنگ کے جیالو۔ کیا بات ہے کہ میں تمہیں آواز دیتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں تمہیں بلاتا ہوں اور تم نہیں سنتے۔ تم سو رہے ہو اور میں آس لگائے ہوئے ہوں کہ جاگ پڑو گے۔ کیا اپنے امام کی محبت اب تمہارے دل سے نکل چکی ہے جو اس کی مدد کو نہیں آتے۔ یہ رسولؐ کے گھر کی خواتین ہیں۔ ان کے جسم ہول سے گھل گئے ہیں۔

اے عزت مندو! اب خواب سے بیدار ہو اور ان سرکش کمینوں
سے اپنے رسول کے حرم کو بچاؤ۔

پھر چند اشعار (صفحہ ۱۳۰)

(۵)۔ "اے نانا جان! ہائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ہائے ابا۔ ہائے علیؓ، ہائے بھائی، ہائے حسن، ہائے یہ بے وطنی، ہائے یہ پیاس، ہائے کوئی فریاد رس نہیں، ہائے یہ قلت انصار، آج میں مظلوم قتل ہو رہا ہوں حالانکہ میرے نانا مصطفےٰ ہیں۔ پیاسا ذبح کیا جا رہا ہوں حالانکہ میرے باپ علی مرتضیٰؓ ہیں مجھے بے عزت کر کے چھوڑ دیا گیا حالانکہ میری ماں فاطمۃ الزہرا ہیں۔ پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور دن کے تین گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے۔ لوگ حیران تھے اور انہیں پتہ نہیں لگتا تھا کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں"
(صفحہ ۱۳۵)

(اور لاکھوں کا لشکر تین گھنٹے بے بسی سے کھڑا رہا)

(۶)۔ ابی مخنف کہتا ہے کہ حسینؓ خون میں لتھڑے ہوئے زمین پر پڑے رہے۔ آپ کہتے جاتے تھے۔ اے ہر فریادی کی فریاد کو پہنچنے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تیرے فیصلے پر صبر کرتا ہوں (صفحہ ۱۳۶)

(اچھا صبر ہے)

(۷)۔ (قاتل) جب بھی آپ کا کوئی عضو کاٹتا تھا تو حسینؓ چلاتے ہائے محمدؐ ہائے علیؓ۔ ہائے حسنؓ۔ ہائے جعفرؓ۔ ہائے حمزہؓ۔ ہائے عقیلؓ ہائے عباسؓ۔ ہائے اسطرح قتل ہونا۔ ہائے مددگاروں کی کمی۔ ہائے بے وطنی (صفحہ ۱۳۹)

سیدنا حسینؓ کا واویلا اور فریاد کے یہ چند مناظر مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ ابی مخنف کی تالیف تمام کی تمام اس قسم کی خرافات کا پلندہ ہے۔ یہ ہائے وائے اور چیخ و پکار اُس شخصیت کے مُنہ سے کہلوائی جا رہی ہے جسے مولوی لوگ "پیکرِ صبر و رضا" کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ حسینؓ کا کردار جسطرح اس کذاب مؤلف نے اپنے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر کے صفحۂ قرطاس پر

منتقل کیا ہے یہ اس کو اور اسکی رُوحانی ذریت کو ہی مُبارک۔ سیدنا حسینؓ جس عالی مرتبت شجاع خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس خاندان کا ایک معمولی سے معمولی فرد بھی جرأت۔ شجاعت۔ صبر، حوصلہ اور تسلیم و رضا کا ایک پیکرِ اعظم تھا۔

مشہور صحابیؓ سیدنا حبیبؓ (جو کہ غیر ہاشمی تھے) کو جب کفارِ مکہ نے سُولی پر باندھ کر نیزوں اور تلواروں کی نوکوں سے کچوکے لگانے شروع کئے تو جس جرأت اور صبر کا انہوں نے مظاہرہ کیا اس کذاب مؤلف نے سیدنا حسینؓ کے قتل کو اس سے بالکل اُلٹ ایک چیخ و پکار اور آہ و فغاں کی داستان بنا کر پیش کیا ہے۔ یہی وُہ خرافات ہیں جو سبائیت کا قیمتی لٹریچر شمار ہوتا ہے انہیں خرافات کو پڑھ کر مؤلف "مجاہدِ اعظم" کو باوجود شیعہ ہونے کے کہنا پڑا۔

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سینکڑوں
برس سے سُنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے
آرہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ (صفحہ ۱۶۲)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابی مخنف کے یہ انکشافات کہاں تک درست ہیں۔ آنجناب کا یہ واویلا کس نے سُنا؟ کن کن ذرائع سے محرم کی مجالس میں پہنچا ہمیں حیرانی ہوتی ہے اُن لوگوں پر جو سیدنا حسینؓ کی میدانِ کربلا میں پیش کردہ شرائط کو صحیح نہیں مانتے لیکن سیدنا حسینؓ کی اس چیخ و پکار اور ہائے وائے کو بے سوچے سمجھے دن رات دہرائے جا رہے ہیں ہم ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کرتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ نے یہ شرائط پیش کر کے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا آج جناب حسین عارف صاحب صرف تیسری شرط پر عقبہ بن سمعان جیسے مجہول الحال شخص کی انگلی پکڑ کر لفظوں کی بھرتی سے کام چلا رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ انکا بھرم اسی وقت تک قائم رہا جبتک وہ اپنے مفترض الطاعۃ امام کے حکم انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ (اصول کافی ص ۴۵۸)
اے شیعو! تم ایسے دین پر ہو کہ اگر اپنے دین کو چھپائے رکھو گے تو تم کو اللہ عزت دیگا۔ اگر ظاہر کر دو گے تو اللہ تم کو ذلیل کریگا۔
پر عمل پیرا رہے۔ اب انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا شوق چرایا ہے تو ردِ عمل کے طور پر جو حقائق سامنے آرہے ہیں انکا ذرا حوصلے سے سامنا کریں۔ اب صورتحال بدلتی جا رہی ہے۔ تقیہ کی ردا بھی اُتر چکی ہے۔ آپکے امام کا ہر بات میں ستر پہلو رکھکر بات کرنے کا حربہ بھی اب ناکام ہو چکا ہے پھر کیوں لوگوں کو اپنے اُوپر جگ ہنسائی کا موقع فراہم کر رہے ہو۔ سیدنا حسینؓ سے ایک مومن صادق کی شہادت کی عظمت نہ چھینو۔ وما علینا الا البلاغ۔

مؤلف کی دیگر تحقیقی تالیفات

نمبر	کتاب	ایڈیشن	قیمت
۱	اختلاف امت کا المیہ	دوسرا ایڈیشن	۴۲-۰۰
۲	حقیقت مذہب شیعہ	تیسرا ایڈیشن	۵۰-۰۰
۳	عترت رسول	تیسرا ایڈیشن	۲۵-۰۰
۴	مقام صحابہؓ	دوسرا ایڈیشن	۱۰-۰۰
۵	امیر مروانؓ بن الحکم	دوسرا ایڈیشن	۶-۰۰
۶	شہادت ذوالنورینؓ	دوسرا ایڈیشن	۱۰-۰۰
۷	خلافت راشدہ		۱۲-۰۰
۸	سادات بنی رقیہ		۱۲-۰۰
۹	بنات رسول	دوسرا ایڈیشن	زیر طبع
۱۰	صدیقہ کائنات		
۱۱	واقعہ کربلا		
۱۲	اہل حدیث		۲-۰۰
۱۳	راجوری		۲-۰۰
۱۴	سلطان ٹیپو شہید		۲۵-۰۰
۱۵	مشکوٰۃ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر		
۱۶	سیدنا حسنؓ بن علیؓ		
۱۷	سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع اور سیدنا ابن زبیرؓ کا خروج		
۱۸	عبداللہ بن سبا		
۱۹	دامغ الظنون فی رد جلاء العیون		زیر طبع
۲۰	خالد بن ولید سیف اللہ		″
۲۱	سلطان محمود غزنوی		″
۲۲	اسلام کے دس بڑے جرنیل		″
۲۳	سیرۃ النبی شبلی کی تلخیص		″
۲۴	القول المفتوح بہ سلسلہ سیدنا حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع		۱۲-۰۰